ماہنامہ
دختران اسلام
لاہور
اکتوبر 2020ء

محبت، اطاعت، اتباع اور تعظیم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تحریک منہاج القرآن نے نئی نسل میں آقا علیہ السلام کی محبت کو اجاگر کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں
ماہنامہ دختران اسلام لاہور

زیرِ سرپرستی
بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر
قرۃ العین فاطمہ

جلد: 27 شمارہ: 9 / ربیع الاول ۱۴۴۲ھ / اکتوبر 2020ء

ایڈیٹر
اُم حبیبہ

ڈپٹی ایڈیٹر
نازیہ عبدالستار

مجلس مشاورت

نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ، ڈاکٹر نبیلہ اسحاق
ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز، مسز حلیمہ سعدیہ
مسز راضیہ نوید، سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرویا، ڈاکٹر نورین روبی

رائٹرز فورم

آسیہ سیف، ہادیہ خان، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سمیعہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام ـــ فوٹو گرافی: قاضی محمود الاسلام

فہرس

اداریہ
(یوم تاسیس کی تقریب اور شیخ الاسلام کا فکر انگیز خطاب) 4

فکر شیخ الاسلام
محبت، اطاعت، اتباع اور تعظیم — مرتبہ: نازیہ عبدالستار 5

داعیٔ اعظم ﷺ — ڈاکٹر فرخ سہیل 10

حضور نبی اکرم ﷺ کا عمر رسیدہ افراد کیساتھ حسنِ سلوک — مسز فریدہ سجاد 13

میلاد النبی ﷺ — تحریم رفعت 17

شمائل مصطفی ﷺ قرآن کی روشنی میں — آسیہ سیف قادری 20

سیرتِ رسول ﷺ میں زندگی کے رہنما اصول — ارشاد اقبال اعوان 25

علم اور معلم کی فضیلت — ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ 31

حضرت رابعہ بصریؒ کا لازوال کردار — سعدیہ کریم 34

Students are the hope, Students are th future — Hajira Javed 37

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید، امریکہ: 15 ڈالر مشرق وسطی، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ: 12 ڈالر
ترسیل زر کا پتہ: منی آرڈر/ چیک/ ڈرافٹ بنام حبیب بنک لمیٹڈ منہاج القرآن برانچ اکاؤنٹ نمبر 01970014583203 ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت فی شمارہ -/35 روپے
سالانہ خریداری -/350 روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184
Visit us on: www.minhaj.info E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

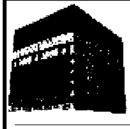

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ.

(آل عمران، ٣: ١٦٤)

”بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے“۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ.

(یونس، ١٠: ٥٨)

”فرما دیجیے: (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس (سارے مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں“۔

(ترجمہ عرفان القرآن)

فرمان نبوی ﷺ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللهِ، فَيُوْشِكُ اللهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص پر مفلسی آ گئی اور اس نے اپنی مفلسی (کو دور کرنے کے لئے اس) کو لوگوں کے سامنے پیش کیا تو اس کی مفلسی دور نہیں ہو گی اور جس شخص نے اپنی مفلسی کو اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جلد یا بدیر (حکمتِ خداوندی کے مطابق) رزق عطا فرمائے گا“۔

عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ تَكَفَّلَ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا، وَأَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ: أَنَا. فَكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ وَالْحَاكِمُ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ.

”حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگے گا تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، میں نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کسی سے کچھ نہیں مانگا کرتے تھے“۔

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص ٤٠٥، ٤٠٦)

ہر چیز کی زینت ہے اور عبادت کی زینت خوف ہے

خواب

کبھی تنہائی کوہ و دامن عشق
کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایہ محراب و منبر
کبھی مولا علیؓ خیبر شکن عشق!

(کلیات اقبال، بال جبریل، ص:۶۸۸)

تعبیر

اگر ہم اس عظیم مملکت پاکستان کو خوش اور خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی پوری توجہ لوگوں اور بالخصوص غریب طبقے کی فلاح و بہبود پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

(خطبہ صدارت دستور ساز اسمبلی، 1947ء)

تکمیل

آقاؐ نے جس شے کو فرمادیا یہ قرآن ہے پس وہ قرآن ہوگیا، ہمارے پاس قرآن کے قرآن ہونے کے بجز زبانِ مصطفیٰ ﷺ کوئی شہادت نہیں ہے۔ یہ مقام مصطفیٰ ﷺ جسے سمجھنے کی ضرورت ہے اگر مقام مصطفیٰ ﷺ نہیں سمجھا تو مسلمانی کبھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ آقاؐ کے مقام و مرتبہ سے مکمل آگہی نہ ہونے کی وجہ سے آج امت افتراق، انتشار اور زوال کا شکار ہوگئی۔ آغاز نزول قرآن کے وقت جب حضور نبی اکرم ﷺ نے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات اہل مکہ کے سامنے تلاوت کیں تو لامحالہ مکہ کے باشندوں نے پوچھا ہوگا کہ یہ کیا ہے جو آپ پڑھ رہے ہیں؟ ایسا کلام ہم نے کبھی نہیں سنا۔ جواب میں آقاؐ نے فرمایا ہوگا کہ یہ قرآن ہے، اللہ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا۔ آپ کے اس جملہ "یہ قرآن ہے" کو ماننے والے مسلمان ہوگئے اور نہ ماننے والے کافر رہے۔ یہ جملہ قرآن نہیں بلکہ حدیث ہے۔ پس جنہوں نے مان لیا انہوں نے قرآن کا قرآن ہونا بعد میں مانا پہلے حدیث مصطفیٰ ﷺ کو مانا۔ آج لوگ تکرار کرتے ہیں کہ ہمیں قرآن کافی ہے اور کسی حدیث کی حاجت نہیں ایسا کہنے والا بدترین کافر و ملحد ہے۔ (ماخوذ از خطاب شیخ الاسلام، مقامِ مصطفیٰؐ اور عقیدہ اہلسنت)

اداریہ

یوم تاسیس کی تقریب اور شیخ الاسلام کا فکر انگیز خطاب

تحریک منہاج القرآن کا 40 واں یوم تاسیس 17 اکتوبر 2020ء کو منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ میں منایا گیا، یوم تاسیس کی تقریب میں علماء، مشائخ، سیاسی، سماجی، صحافتی شخصیات نے شرکت کی، خطاب اور شرکت کرنے والوں میں معروف ادیبہ، شاعرہ، کالم نویس صوفیہ بیدار بخت بٹ، رکن صوبائی اسمبلی متحدہ مجلس وحدت المسلمین کی رہنما زہراہ نقوی اور منہاج القرآن ویمن لیگ کی ناظمہ سدرہ کرامت شامل تھیں۔ یوم تاسیس کی تقریب سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے انتہائی فکر انگیز خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تحریک منہاج القرآن نے اپنے قیام کے 40 سالوں میں قرآن و سنت کی تشریحات کے ضمن میں بین المسالک ہم آہنگی، بین المذاہب رواداری، اعتدال اور توازن کی فضاء بہتر بنانے کی مقدور بھر کوشش کی، انتہا پسندی اور فکری تنگ نظری کو ختم کرنے کی جدوجہد کی۔ قدیم اور جدید کے درمیان باہمی میلاپ، توازن اور ربط پیدا کیا، دین اور دنیا کی تفریق کو مٹانے کی کوشش کی گئی، دور جدید کے تقاضوں کے مطابق تعبیر و تشریح کے ذریعے جمود اور تعطل کو ختم کر کے فکری تحرک پیدا کیا۔ اسلام کی تعلیمات کو اعتقادی دائروں کے اندر محدود کرنے کی بجائے علمی، سماجی، معاشی، ثقافتی، اقتصادی دائروں کے اندر اس کی وسعت کو اجاگر کیا۔ مصادرِ اصلیہ (کتاب و سنت) سے استنباط اور براہ راست رہنمائی کے علمی کلچر کا احیاء کیا تاکہ اہل علم حضرات نچلے درجے کے مصادر کا حوالہ دینے کی بجائے براہ راست قرآن و سنت کا حوالہ دیں، تحریک منہاج القرآن نے اپنی 40 سالہ علمی، تحقیقی، تربیتی جدوجہد کے دوران معلومات کو قیاس، تجزیے، افراط و تفریط سے الگ کر کے اسے علم اور تحقیق کے ساتھ جوڑا ہے۔ امت میں دین کی تعبیر اجزاء میں تقسیم تھی، اگر توحید پر توجہ مرکوز ہوئی تو رسالت سے توجہ ہٹ گئی، شان اہل بیت بیان ہوئی تو صحابہ کرامؓ کی فضیلت سے توجہ کٹ گئی، 40 سالہ جدوجہد کے دوران کوشش کی کہ دین اجزاء کی بجائے کُل دکھائی دے۔ جدید اور قدیم تشریحات میں ایک خلاء تھا، نوجوان اشکالات کا شکار تھے اور اسلاف علمی کلچر سے کٹ چکے تھے، تعلیم اور تربیت جدا ہو گئے تھے، اس خلیج کو تعلیمی اداروں کی شکل میں ختم کیا ہے، ہمارے تعلیمی اداروں میں بیک وقت جدید اور شرعی علوم پڑھائے جا رہے ہیں۔ تصوف کی شناخت بحال کی، سلف صالحین کے تحرک، زہد و تقویٰ اور مطابعت کا اسلامی تعلیمات کے مطابق احیاء کیا۔ اسلام پر دہشت گردی کے لگنے والے الزام کو رد اور اس کی اعتدال پر مبنی تعلیمات کو دنیا بھر میں اجاگر کیا، دینی رویوں کو تفرقے، تعصب، تنگ نظری اور انتہا پسندی سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ جہاد کے عنوان کو دہشت گردی کے ساتھ خلط ملط کرنے کی منفی کوشش کی گئی، تحریک منہاج القرآن نے اس کا بروقت جواب دیا اور ایسے تمام الزامات کا رد کیا۔ بین المسالک ہم آہنگی، باہمی تعاون، تحمل، وسیع البنیاد سوچ کی بنیادیں رکھیں، مسلم اور غیر مسلم کی حدود اور دائرے کا تعین کیا اور قرآن و سنت کی فکر کو ہائی لائٹ کیا۔ اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے، حقیقی تقلید جامد ہو گئی تھی، علمی حلقے بوجوہ آئمہ کی تقلید سے دور ہو گئے تھے، اس حوالے سے توازن پیدا کیا۔ خواتین کے حقوق دینی حلقوں میں نظر انداز ہو گئے تھے، دو طرح کی انتہائی سوچیں پیدا ہو گئی تھیں، ایک سوچ میں حقوق نام کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں تھی اور دوسری سوچ قرآن و سنت کی تعلیمات اور اقدار سے بالاتر تھی (سیکولر) اس حوالے سے بھی اعتدال کا راستہ اختیار کیا اور خواتین کا جو اسلامی کردار اور عزت و تکریم تھی اس کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ نوجوان تربیت کے روایتی اور غیر روایتی ماحول اور انسٹی ٹیوشنز سے محروم ہو چکے تھے، منہاج القرآن نے اس خلاء کو پُر کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ یوم تاسیس کی تقریب سے، امیر جماعت سینئر اسلامی سراج الحق، علامہ راجہ ناصر عباس، سید ضیا اللہ شاہ بخاری، مجیب الرحمٰن شامی، میاں منظور احمد وٹو، خواجہ معین الدین محبوب کوریجہ، علامہ حسین رضا، انجینئر محمد رفیق نجم نے خطاب کیا، تقریب کے اختتام پر 40 ویں یوم تاسیس کی مناسبت سے کیک کاٹا گیا۔

فکرِ شیخ الاسلام

محبت، اطاعت، اتباع اور تعظیم

امن، ماڈریشن، ہیومن ازم کا پیغام تاجدار کائنات ﷺ نے پندرہ صدیاں پہلے دے دیا

کُل کائنات کے انسانوں کی عقل جمع کر لی جائے تو حضور ﷺ کی عقل و دانش کے مقابلے میں وہ ایک ریت کے ذرے کا ادنیٰ سا ٹکڑا بھی نہیں بنتی

مرتبہ: نازیہ عبدالستار

حضور اکرم ﷺ کی شخصیت کو بطور رول ماڈل پیش کرنے کا ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ چودہ، پندرہ صدیاں گزر گئیں کیوں انسانیت اتنے طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی اس ایک شخصیت کو اپنا آئیڈیل سمجھتی ہے۔ کیوں پندرہ سو سال گزرنے کے باوجود ہم حضور علیہ السلام ہی کی اطاعت و اتباع کرتے ہیں اور آپ ہی سے کمال درجے کی محبت اور تعظیم کرتے ہیں۔ اس موضوع میں انہیں سوالات کے جوابات دیئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی امت پر یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے چار طرح کا تعلق رکھیں تب ایمان کامل ہو گا ان چاروں میں سے کوئی ایک بھی کمزور رہ گیا تو ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ کامل ایمان کا تقاضا ہے کہ چاروں طریقے سے بیک وقت حضور علیہ السلام سے جڑ جائے اور آقا علیہ السلام کی ذات اقدس سے بے پناہ محبت کی جائے، یہ ایمان کی تعریف ہے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوگا۔ دوسرا اطاعت جو کچھ حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کی تعمیل کی جائے۔ تیسری اتباع جو کچھ حضور علیہ السلام نے کیا اس کی پیروی کی جائے اور چوتھا تعظیم۔ آقا علیہ السلام کا کمال درجے میں ادب اور تعظیم، تکریم کی جائے کہ اللہ رب العزت کے بعد کائنات میں اتنا ادب اور اتنی تعظیم کسی اور کے لیے نہ ہو۔ النبی أولیٰ بالمؤمنین من أنفسهم اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ مومن وہ ہیں جو رسول پاک ﷺ کو اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر ان سے محبت کریں۔ پھر فرمایا گیا من يطع الرسول فقد أطاع الله جو رسول پاک ﷺ کی اطاعت کر لے اس نے گویا صرف رسول کی ہی اطاعت نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی۔ تو حضور ﷺ کی اطاعت کو عین اطاعت الٰہی بنا دیا۔ تیسری آیت قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني اگر اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع کرو، آپ ﷺ کے نقش قدم پہ چلو، آپ ﷺ کے اسوہ و سیرت میں عملاً ڈھل جاؤ۔ فرمایا: فالذين آمنوا به و عزروه اس میں فرمایا کہ محبوب ﷺ سے بے پناہ ادب اور تعظیم کا رشتہ رکھو، حد سے بڑھ کر ادب کرو۔ قرآن مجید نے چاروں نوعیت کے تعلق کو حضور ﷺ کی ذات کے بیان کر دیا پھر ان کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟ کسی سے محبت، اطاعت اور کسی کی تعظیم کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کے ساتھ اس وقت تک کوئی محبت نہیں کرتا جب تک وہ محبوب جس سے محبت کرنا چاہ رہا ہے۔ اس کا حسن و جمال دل کو موہ نہ لے، اس کے چہرے، زلفوں، رنگت، اس کے سراپا حسن پر، اس کے اٹھنے بیٹھنے پر، اس کے چلنے پھرنے، اس کی آنکھوں، اس کے رخسار سے نگاہ ہٹنے کا نام نہ لے جب تک اس کے حسن و جمال میں اتنی کشش نہ ہو۔ اس وقت تک کوئی کسی سے ٹوٹ کر محبت نہیں کرتا

تو محبت کمال درجے کا حسن و جمال مانگتی ہے۔

اگر وہ ظاہری طور پر حسین تو ہے مگر بڑا بد مزاج اور بد اخلاق، جھوٹا اور مکار اور ظالم ہے تو محبت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے یا وہ عقلمند نہیں ہے، بے وقوف ہے، حسن تو ہے مگر عقل کوئی نہیں، شکل ہے اگر اس کی دانش ہی پوری نہیں ہے تو محبت نہیں ہوگی۔

اب دوسرا تقاضا اطاعت ہے اطاعت کرنے کا مطلب یہ ہے اس کے ہر حکم ہدایات کو ماننا، کسی کے احکام کو دل و جان سے اس وقت تک نہیں مان سکتے جب تک آپ کو یہ یقین نہ ہو، اس کے کہنے میں افادیت ہے۔

اگر کسی شخص کو پندرہ سو سال گزر گئے ہیں آج بھی اگر آپ ان کی اطاعت کریں گے تو اس یقین، ایمان اور اعتماد کے ساتھ کریں گے کہ جو بات انہوں نے فرمائی تھی وہی بات آج بھی حق ہے جس طرح عہد ابو بکرؓ و عمرؓ میں حق تھی۔

کیونکہ ان کا علم اتنا مضبوط، وسیع، کامل اور محیط ہے کہ جس جہت سے انہوں نے جو بات کہی وہ پندرہ سو سال تو کیا پندرہ لاکھ سال بھی گزر جائیں، انسانی عقل کبھی بھی اسے غلط ثابت نہیں کر سکے گی۔ ہمیشہ وہ بات سچ رہے گی۔ سائنس، فلسفہ، اکنامکس، علم سیاسیات، معاشرتی اقدار ترقی کر جائیں۔ جتنی انسانی عقل پرواز کرتی چلی جائے جب انسانی عقل اور علم وفکر اپنے عروج پر پہنچ کر جو بات محمد مصطفی ﷺ نے فرمائی تھی اس کی دہلیز پہ سجدہ ریز ہوجائے گی۔

جب اتنا پختہ اعتماد ہوتا ہے کسی شخصیت کے بارے میں تو تب اس کی اطاعت آنکھیں بند کر کے کرتے ہیں۔

تو پھر کہیں گے کہ ہاں حضور نبی اکرم ﷺ ہی قیامت تک واجب الاطاعت ہیں اور آقا علیہ السلام کے سوا کوئی اتنی عظیم مطلق اطاعت کا حقدار نہیں ہے، اب تیسرا تعلق اتباع ہے۔ اتباع سے مراد جو کچھ آپ ﷺ نے کیا، آپ کی سنت، آپ کی سیرت مبارکہ، عبادات کا معاملہ، لوگوں، بچوں، بیوی، عزیز و اقارب، دوستوں، دشمنوں سے، جانوروں سے، گھر کے اندر اور باہر جو بھی عمل آپ نے کیے وہ ہمارے لیے اسوہ کامل ہیں۔ آپ کا اسوۂ حسنہ، سیرت طیبہ اتنی اکمل ہے کہ اس جیسا ماڈل دنیا میں کوئی اور شخص نہ دے سکے۔

اگر یہ چیز ہو جائے تو پھر انسان پیروی کرتا ہے اور چوتھا پہلو تعظیم کا ہے۔ تو تعظیم تب ہوتی ہے اگر یہ یقین ہو کہ ان کے پاس، روحانی مقام و مرتبہ سب سے اونچا ہے۔ ان کے فضائل، کرامات، معجزات، روحانی تصرفات سب سے بلند ہیں اور کوئی دنیا اور قیامت میں ان کا ہمسر اور برابر نہیں اگر کسی کی عظمت کا تصور ذہن اور دل میں اتنا بیٹھ جائے تو پھر آدمی کا سر تعظیم سے جھک جاتا ہے۔

آقا علیہ السلام سے پہلے انبیاء جو دنیا میں آتے تھے وہ ایک قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے سو اگر وہ اپنے نبی سے محبت، اطاعت، اتباع اور تعظیم کرتے تھے تو ان کا ایک زمانہ تھا، جب آقا علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو زمان و مکان کی حدود ختم کر دی گئیں کسی ایک قوم کے لیے آقا علیہ السلام نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قل یا أیھا الناس إنی رسول الله إلیکم جمیعا.

آپ فرما دیجئے اے بنی آدم میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

سو جب تک انسانیت آتی رہے گی۔ آقا علیہ السلام ہی سب کے رسول رہیں گے۔

صحیح مسلم میں ہے آقا علیہ السلام نے فرمایا: و **أرسلت إلی الخلق کافة و ختم بھا النبیون** میں اللہ کی ساری مخلوق کا نبی بن کے آیا ہوں۔ اور میری آمد پر نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ جب تک یہ کائنات آباد ہے تب تک حضور ﷺ کی رسالت کا جھنڈا لہرائے گا اور جب کائنات ختم ہو جائے گی تو قیامت کے دن بھی حضور ﷺ کی رسالت کا سورج طلوع ہوگا۔

چونکہ قیامت کے دن لواء الحمد حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا، آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک کل رسول اور نبی حضور ﷺ کے جھنڈے کے نیچے چل رہے

ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آقا علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی وجہ سے ہر دور کے لوگوں پر واجب ہوگیا کہ وہ حضور ﷺ سے محبت کریں تو گویا مطلب یہ ہوا کہ پندرہ سو سال میں آج تک مصطفیٰ ﷺ سا کوئی اور حسین نہیں ہوا کہ کوئی کسی اور سے محبت کر سکے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا قد نہ بہت اونچا تھا، نہ دارز نہ پست تھا بلکہ درمیانہ قد مگر مائل بہ طول تھا، بال مبارک نہ بہت کنڈل والے تھے، تھوڑے گنگھر یالے تھے، بہت سیدھے بھی نہ تھے، جسم اقدس نہ بھاری تھا نہ بہت ہی دبلا پتلا، چہرہ مبارک نہ بہت لمبا تھا نہ بالکل گول، گولائی مائل تھا۔ رنگ آقا علیہ السلام کا سفید تھا جس میں گلاب کی سرخی ملا دی گئی ہوں۔ رنگ ایسا تھا کہ جیسے چاندی میں سونا ملا دیا گیا ہو۔ چشمان مقدس بڑی اور سیاہ تھیں، پلکیں دراز تھیں، جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط تھیں، کندھے آقا علیہ السلام کے چوڑے تھے، پُر گوشت تھے ہڈیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ بدن مبارک پر بال نہ تھے، سینہ مبارک سے ناف مبارک تک ہلکی لکیر تھی اور پورا جسم خوبصورت تھا اور ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے مورتی کو چاندی سے ڈھال دیا ہے۔ اور جو حضور علیہ السلام کو دیکھ لیتا وہ یہ بے ساختہ پکار اٹھتا کہ خدا کی قسم ایسا حسین نہ پہلے کبھی کائنات میں تھا نہ بعد میں ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ''آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چہرے کی طرح چمکتا تھا جب پسینہ آتا تھا تو پسینے کے قطرے یوں لگتے تھے جیسے سفید چمکتے ہوئے موتی گر رہے ہیں اور جب خوشی کی حالت ہوتی تو چہرہ اقدس سے نور کی شعائیں نکلتی کہ چاند بھی ماند پڑ جاتا''۔

جب تک حضور کے ایسے حسن پر ایمان نہ رکھا جائے اس وقت تک وہ شخص مومن نہیں ہوتا، حضور ﷺ کے حسن کے لیے جتنی تشبیہات دی گئی ہیں یہ ساری سمجھانے کے لیے دی گئی ہیں اور یہ آقا علیہ السلام کے حسن کا ایک جزو تھا، جسے اللہ پاک نے انسانی کائنات پر ظاہر کیا اگر سارا حسن ظاہر کر دیا جاتا تو ائمہ کہتے ہیں خدا کی قسم، خدا کا عرش بھی پگھل جائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی فکر، فہم کو اتنی کاملیت تھی کہ آقا علیہ السلام جیسا دانا، عاقل، صاحب فکر اور پختہ فہم، فلاسفر، سائنسدان، لیڈر انسانی تاریخ میں پہلے کبھی پیدا ہوا تھا نہ ہوا ہے۔

آپ ﷺ کی اتنی قوی رائے تھی کہ سب کتابوں میں یہ درج تھا کہ ساری کائنات میں انسانوں کو جو عقل دی گئی اگر وہ ساری عقل جمع کر لی جائے تو حضور علیہ السلام کی عقل و دانش کے مقابلے میں وہ ریت کے ایک ذرے کا ادنیٰ سا ٹکڑا بھی نہیں بنتی، جتنی عقل، دانش، فہم، ادراک، معرفت آقا علیہ السلام کو اللہ نے عطا کی۔ آقا علیہ السلام ساری مخلوقات کے لیے رسول تھے۔ لہٰذا اطاعت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ براہ راست اپنی مخلوق سے ہم کلام ہوتے۔ پس حضور ﷺ کو کائنات کی ساری زبانیں عطا کی گئیں جس سے ہمکلام ہوتے اسی کی زبان میں بولتے۔ پندرہ صدیوں میں کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ دنیا کے جس ملک اور خطے کے کسی شخص سے بھی کلام کرے تو اسی کی زبان میں بولے یہ قدرت ہر زبان پہ صرف تاجدار کائنات ﷺ کو تھی۔

کتب حدیث میں آتا ہے آقا علیہ السلام کے وصال سے تین دن پہلے ایک وفد افریقہ سے آیا اور ایک وفد سندھ سے گیا۔ ہندوستان سے جو موجودہ پاکستان ہے۔ دونوں وفد آقا علیہ السلام سے ملے اور تاجدار کائنات نے دونوں کے ساتھ گفتگو کی۔ افریقہ والوں سے افریقہ کی زبان میں بات کر رہے تھے اور ہندوستان سندھ سے آنے والوں کے ساتھ سندھ کی زبان میں بات کر رہے تھے اور آقا علیہ السلام نے ان سے پوچھا سندھ سے آئے ہو؟ کہا جی ہاں۔ تم افریقہ سے آئے ہو؟ جی ہاں۔ حضور ﷺ نے انہیں بتایا اچھے وقت آ گئے تین دن بعد میرا وصال ہونے والا ہے۔

کس انسٹی ٹیوٹ سے تاجدار کائنات نے یہ زبانیں سیکھیں؟ زبانوں پر مہارت، خداداد صلاحیت تھی۔ آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں جنات بھی آتے تھے اور سورۃ جن کی پہلی آیات میں مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں جنات کا آنا، رہنمائی

لینا، اسلام قبول کرنا، ہدایت لینا اور واپس اپنی قوم میں جانا بیان ہوا ہے۔

آقا علیہ السلام نے جن سے اس کی زبان میں پوچھا۔ ''بتاؤ اے جن، کس قبیلے سے ہو؟ اس نے کہا میں ابلیس کا پڑپوتا ہوں، آقا علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے اور تمہارے پڑ دادا ابلیس کے درمیان صرف دو واسطے ہیں، تمہارا باپ اور ایک تمہارا دادا؟ اس نے کہا جی ہاں، آقا علیہ السلام نے پوچھا۔ اپنی عمر کا حال بتاؤ۔ اس نے کہا کہ جب قابیل نے حضرت ہابیل کو شہید کیا تھا، تو میں چھوٹا سا بچہ تھا، مجھے وہ واقعہ یاد ہے اس نے کہا کہ میں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور جب انہیں آگ میں ڈالا گیا وہ منظر دیکھا، میں آگ بجھانے کی کوشش کرتا تھا پھر اس کے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا پھر اس کے بعد سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام پر ایمان لایا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ کی بارگاہ میں آیا ہوں، میرے پاس ایک پیغام ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: کیا؟ اس نے کہا : کہ جب میں عیسیٰ علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھتا تھا، تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: کہ میرے بعد سب نبیوں کے سردار آنے والے ہیں، جب حضور ﷺ تشریف لائیں تُو زندہ ہوگا اور جب تُو اُن کی بارگاہ میں جائے تو میرا عاجزانہ سلام پیش کرنا۔ آقا عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو سلام کہلوا بھیجا ہے۔ یہ سلام سن کر آقا علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا ہام بن ہیم تم پر بھی اور میرے بھائی عیسیٰ پر بھی سلام ہو۔

جب ساری بات ہو چکی اس کے بعد آقا علیہ السلام نے پوچھا تمہاری کوئی حاجت ہے؟ اُس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ پر ایمان لایا ہوں مجھے قرآن پڑھا دیجئے۔ آقا علیہ السلام نے قرآن کی دس سورتیں اس کو پڑھا دیں''۔ چونکہ آپ ﷺ سب کے نبی تھے، سب پر حضور ﷺ کی اطاعت واجب تھی۔

حضور ﷺ تو شجر و حجر، حیوانات کے لیے بھی رحمت ہیں، آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں جانور آتے اپنی پریشانی پیش کرتے۔ امام ابو داؤد نے روایت کیا:

'' آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں اونٹ آیا، جب اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو اونٹ رو پڑا اور آقا علیہ السلام نے اس سے گفتگو کی کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا کہ اس کا مالک اسے بھوکا رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے انصاری کو بلایا اور فرمایا: اونٹ نے تیری شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لیتے ہو''۔

حضور ﷺ تو درختوں سے بھی کلام کرتے تھے۔ لوگ آتے اور کہتے کہ کون گواہی دیتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں؟ آپ درخت کو حکم دیتے ہیں کہ اے درخت آ جا میری رسالت کے گواہی دے۔ درخت زمین کا سینہ چیرتے ہوئے اوپر نیچے سجدہ کرتے مصطفیٰ ﷺ کے قدموں میں آ کر گرتے اور **أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أنك محمد رسول الله** کہتے۔

آقا علیہ السلام نے آج کے دور کی سائنسی ترقی اور ٹیکنالوجی کی بات کی۔ تو اس کا مطلب ہے اُن کی نگاہ کائنات کے ہر زمانے پر تھی۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: ایک روز آپ ﷺ سٹیج پر کھڑے ہوئے اور کائنات کی ابتداء سے لے کر قیامت تک ساری کائنات کی تاریخ کے واقعات اور احوال ہمیں بیان کر دیئے۔ جس کو جتنا یاد رہا یاد رہا جو بھول گیا بھول گیا۔

آقا علیہ السلام کی وسعت علم کو دیکھئے ساری تاریخ نگاہ مصطفیٰ ﷺ میں ہے۔

جب علم اور نظر اتنی وسیع ہوا تب ہی وہ رسول کائنات انسانی کی پوری رہنمائی کر سکتا ہے، یہ تو ماضی کی بات تھی۔ مستقبل میں آج ٹیکنالوجی کا وہ دور جس میں گاڑیوں پہ سفر کرتے ہیں، پندرہ سو سال قبل اونٹ، گھوڑا اور گدھا یہ سواریاں تھیں۔

عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں آقا علیہ السلام نے فرمایا: ''لوگو! میری امت کے زمانوں میں آخر

میں ایک دور آئے گا جب یہ اونٹ، گدھے اور گھوڑے یہ سواریاں نہیں ہوں گی، ان کی جگہ بڑی بڑی سواریاں، جن کی بڑی بڑی سیٹیں ہوں گی، ان پر لوگ بیٹھ بھی سکیں گے سو بھی سکیں گے"۔

صحابہ کرامؓ نے کہا خدا کی قسم آقا علیہ السلام اس وقت تک ہم سے جدا نہیں ہوئے جب تک ہمیں آنے والے تمام حالات و واقعات بیان نہ فرمادیئے ہوں۔ یہاں تک کہ صحابہ فرماتے ہیں خدا کی قسم ہمیں حضور علیہ السلام نے یہ علم بھی بتا دیا کہ پرندے جب ہوا میں اڑتے ہیں تو ان کے اڑنے کا اصول کیا ہے؟

ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کنز العمال میں ہے کہ "آقا علیہ السلام نے فرمایا: قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک وقت کی اکائیاں آپس میں سمٹ کر قریب نہ آ جائیں جب تک لوگ چاند پر نہیں جائیں گے اور سیارے اس زمین کی فضا سے نکل کر اوپر سیارگان فلکی کی فضا میں نہیں جائیں گے"۔

جہازوں کے سفر میں اور سیاروں کے سفر میں کہ ایک سیارہ چلتا ہے اور چوبیس گھنٹے پوری زمین کا مدار کا چکر لگاتا ہے اسی ایک ہی وقت میں رہتا ہے۔ زماں کی اکائیاں سکڑ جاتی ہیں اور مکاں کی اکائیاں سکڑ جاتی ہیں۔ فرمایا: قیامت کے آنے سے پہلے زماں اور مکاں کی اکائیاں قریب آ جائیں گی۔ آج ہر گھر میں ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر ہے، کی پیڈ ہے اور ہر شخص گھر میں بیٹھے بٹن دبا کر کے پوری دنیا کا انٹرنیٹ کھول کر سارا علم لے لیتا ہے۔

امام دارمی سنن میں روایت کرتے ہیں "آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے میں علم کو اتنا پھیلا دوں گا کہ مرد، عورت، آزاد لوگ، غلام حتیٰ کہ بڑے تو بڑے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ہاتھ میں بھی علم آ جائے گا"۔

چھوٹے چھوٹے بچے آج انٹرنیٹ کھول کے علم حاصل کرتے ہیں۔ جو چیز آج سے پچاس سال قبل آپ تصور نہیں کر سکتے تھے وہ پندرہ سو سال قبل مصطفیٰ ﷺ نے انسانیت کو بتا دی ہے کہ گھر گھر میں علم پہنچا دوں گا۔ تو آقا علیہ السلام نے کمپیوٹرز، آئی پیڈز، ڈی وی ڈیز، سی ڈیز کی خبر دی کہ گھر گھر پہنچ جائیں گے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔"ایک روز انصار کی دو بچیاں دف لے کر میرے گھر آئیں اور انصار کی جرأت اور شجاعت کے ترانے گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں اور گا رہی تھیں حضور لیٹے ہوئے تھے، سن رہے تھے ابو بکر صدیق آئے انہوں نے ان کو ڈانٹا کہ رسول اللہ کے گھر میں یہ شیطان کے باجے؟ جب یہ بات کہی آقا علیہ السلام نے چہرے سے چادر ہٹا دی اور آپ نے فرمایا: ابو بکر ان بچیوں کو نہ ڈانٹو ہر قوم کی عید ہوتی ہے یہ ہمارے عید کے لیے دن ہیں ان کو گا لینے دو۔ یہ آقا علیہ السلام کی لبرل ازم ہے۔

حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں: "چھوٹے چھوٹے بچے حضور کی مجلس میں آ کے بیٹھ جاتے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ چھوٹی عمر کے چھوٹے بچے تھے وہ حضور کے دائیں جانب بیٹھ گئے، کسی نے دودھ کا پیالہ پیش کیا بائیں طرف ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ بیٹھے تھے آپ کا طریقہ تھا کہ دائیں جانب سے شروع کرتے، آپ نے دودھ پیا اب چاہتے تھے کہ ابو بکر و عمر کو دیں وہ سینئر ہیں مگر دائیں طرف چھوٹا بچہ بیٹھا تھا تو آقا علیہ السلام نے اصول نہیں توڑا۔ بچے کا دل بھی نہیں توڑا۔ پوچھا اے بیٹے! کیا مجھے اجازت دیتے ہو کہ یہ دودھ بچا ہوا پہلے میں بزرگوں کو پیش کر دوں؟ تو چھوٹے بچے نے کہا آقا آپ کا بچا ہوا دودھ ہے یہ قربانی میں نہیں دے سکتا یہ خود پیوں گا، جب یہ کہا تو بڑوں کو چھوڑ دیا اور پیالہ چھوٹے بچے کو عطا کر دیا یہ بچوں کی حوصلہ افزائی ہے۔

یعنی ایک طرف انسانوں، عورتوں اور بچوں پر شفقت دوسری طرف جانوروں کے حقوق۔ دنیا کی کوئی گورنمنٹ جس امن اور ماڈریشن کی بات کرتی ہیں تاجدار کائنات نے وہ پیغام پندرہ صدیاں پہلے دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی انسانیت چودہ سو سال کے بعد حضور ﷺ کی اطاعت کرتی ہے۔ ☆☆☆☆☆

مالکِ تسنیم وکوثر...... صاحبِ جود وکرم...... منتہائے خالقِ ارض وسما ذی محترم

داعیٔ اعظم ﷺ

داعیٔ حق کی دعوت پر ایمان لانے والوں نے پیغام حق کی ادائیگی کا حق ادا کیا

آپ ﷺ کی دعوت کے باعث گمراہی کے اندھیرے میں غرق انسانیت کی تقدیر بدل گئی

ڈاکٹر فرخ سہیل

جزیرہ نما عرب کا خطہ جو حجاز کے نام سے معروف تھا نہ صرف وہاں کے لوگ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے بلکہ تمام دنیا ہی گمراہی و ضلالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرچکی تھی۔ ہر طرف کفروشرک اور ظلم و جور کا بازار گرم تھا۔ کوئی برائی ایسی نہ تھی جو موجود نہ ہو۔ عربوں کے اندر بھی ہر قسم کی قبیح برائیاں موجود تھیں۔ زنا کاری، شراب نوشی اور قمار بازی ان کی زندگی کے مشاغل میں شامل تھے۔ بات بات پر لڑائی جھگڑا، قتل و غارت گری یہاں تک کہ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی ظالمانہ رسم جاری و ساری تھی۔ ہر طرف چوری، ڈکیتی، راہزنی، مکاری و عیاری عربوں کا پیشہ تھا۔ خانہ کعبہ میں خدائے واحد کی عبادت کی بجائے سینکڑوں خداؤں کی پوجا جاری تھی یہاں تک کہ ان معبودانِ باطل کی تعداد سال کے دنوں کے مطابق 360 تھی۔ اس مقدس بیت العتیق کی نگرانی عربوں کے سب سے معزز قبیلے قریش کی ایک شاخ بنو ہاشم کے معزز شخص عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھی۔

قدرت کا یہ اصول ہے کہ جب دنیا مکمل طور پر جہالت و گمراہی کے اندھیروں میں غرق ہوجائے تو کسی مصلح کا آنا لازم ہوجاتا ہے جو اہل دنیا کو اخلاقی تعلیم دیتے ہوئے انہیں جہالت سے نکالتا ہے اور ہدایت کی شمع روشن کرکے اپنی بے لوث محبت سے اپنی طرف بلاتا ہے اور ظلم و جور کا خاتمہ کرتے ہوئے پستہ حال قوم کو الہامی تعلیمات کی روشنی اور اپنی محبت کی طاقت سے اوج ثریا تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسے ہی زمانے میں سر زمینِ حجاز کے شہر مکہ میں قبیلہ بنو ہاشم کے اُسی معزز و محترم متولی کعبہ عبدالمطلب (مرحوم بیٹے عبداللہ) کے گھر میں نبوت کا لازوال آفتاب طلوع ہوا جس کے نور سے جزیرہ نما عرب دور دور تک جگمگا اٹھا جس کی روشنی نے ساری دنیا کو منور کردیا۔

نعیم صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''قوم کا یہ چمکتا ہوا ہیرا جب نبوت کے منصب سے کلمہ حق پکارتا ہے تو زمانہ کی آنکھوں کا رنگ معاً بدل جاتا ہے اور اس کی صداقت و دیانت اور شرافت ونجابت کی قدرو قیمت بازارِ وقت میں یکا یک گرا دی جاتی ہے''۔

حالانکہ وہ محترم شخص جو قریش کی آنکھوں کے سامنے مکی معاشرے کی گود میں پل کر جوان ہونے والا جب پختگی کی عمر کو پہنچتا ہے تو اُسے صادق اور امین کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ کل تک جس کا احترام بچہ بچہ کرتا تھا۔ اعلان حق کرنے پر پوری قوم اس کی مخالفت میں کھڑی ہوجاتی ہے۔ وہ عظیم المرتبت شخص جس نے چالیس سال تک اپنے کردار کو دنیا کی کسوٹی پر کھرا ثابت کیا تھا وہ پیغام حق کو سناتے اپنے ہی لوگوں کے معیار کی نذر ہوجاتا ہے۔

قریش کی کورنگاہی نے اس ہیرے کی ناقدری کرتے ہوئے مخالفت پر آمادہ کردیا۔ اس مخالفت کی وجہ صرف اورصرف جاہلیت کا وہ فاسد نظام تھا جس کو بدلنے کے لیے نبی

الحمدللہ آج مسلمانوں کا وجود اسی محترم ومکرم ہستی کی جانفشانی کی بدولت باقی ہے۔ یہ اسی مقدس ہستی کا فیضان ہے کہ مسلمانوں کے سینوں میں آج بھی کلمہ حق کا ولولہ برقرار ہے اور یہ اسی داعی اعظم کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایک باضابطہ لائحہ عمل (قرآن وسنت) کی شکل میں موجود ہے

محترم نے آوازِ حق بلند کی تھی۔ حالانکہ قریش کے لوگ اس مقدس ومعزز شخص کو صادق وامین گردانتے تھے کیونکہ انہیں اس کے فکرو کردار میں کوئی کجی یا رخنہ نہیں تھا بلکہ ان کی مخالفت کی وجہ صرف اور صرف ان کی مفاد پرستانہ ذہنیت تھی اور نبی اکرمﷺ نے جب ان کے اس جاہلانہ نظام کو للکارا تو قریش کو اپنی سیادت کا سورج غروب ہوتا دکھائی دیا۔

اگر ایک طرف قریش سیاسی و معاشرتی اعتبار سے طاقت کا مظہر بنے ہوئے تھے تو دوسری طرف مذہبی امور کے نگران بھی تھے اور اس حوالے سے پورے عرب میں ان کی عزت واحترام تھا۔

خانہ کعبہ پر چڑھائے جانے والے تمام نذرانے اور چڑھاوے ان کے پاس آتے تھے۔ قریش کے بے تاج بادشاہ ہونے کی وجہ سے وہ تمام دولت کے مالک ومختار تھے۔ اس کے علاوہ قریش کا فاسقانہ کلچر اور قبیح عادات ان کے خون میں رچ بس چکی تھیں اور جب اس داعی اعظم نے کلمہ حق بلند کیا تو قریش ہیجان زدہ ہوکر مخالفت کے لیے کھڑے ہوگئے۔

نبوت کے اوائل دور میں آپﷺ کو رویائے صادقہ اور غیبی پیغامات ملنا شروع ہوئے اور بالآخر جبریل امینؑ اولین پیغام لے کر آگئے اور یہ پیغام آپﷺ نے سب سے پہلے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ کو سنایا تو وہ آپ کے پیغام پر لبیک کہنے والی سب سے پہلی مومنہ تھیں اور آہستہ آہستہ ہم نشینوں میں یہ پیغام پہنچا تو بلا پس وپیش انہوں نے لبیک کہا اور پھر یہ دعوت حق رفتہ رفتہ موثر ہوتی چلی گئی اور یہ تمام افراد ایسے تھے جو قریش کے کسی بھی اعلیٰ مذہبی وقومی منصب پر مامور نہیں تھے بلکہ سادہ لوح اور آزاد طبع لوگ تھے اسی طرح اپنے رفقاء کے ساتھ دعوت حق میں تین سال گزر گئے تو اعلانیہ دعوت نبوت کا پیغام آن پہنچا تو آپﷺ نے قریش کو کوہ صفا کے پاس بلایا اور انہیں بلند آواز سے مخاطب کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

’’اے بنو عبدالمطلب، اے عبد مناف، اے بنو زہرا، اے بنو تمیم، اے بنو اسد! خدا پر ایمان لے آؤ ورنہ تم پر سخت عذاب نازل ہوگا‘‘۔

اور اس اعلان پر آپ کا چچا ابو لہب بہت برہم ہوا اور یوں آپ کو اپنے قبیلے کی طرف سے ہی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری دعوت عام میں آپ نے خاندان عبدالمطلب کو کھانے پر مدعو کیا اور کھانے کے بعد مختصر خطاب فرمایا کہ میں جس پیغام کو لے کر آیا ہوں یہ دین دنیا دونوں کا کفیل ہے۔ تم میں سے کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے، پورے ماحول پر سکوت طاری ہوگیا کہ اتنے میں ایک بارہ تیرہ برس کا لڑکا اٹھا اور کہنے لگا کہ

’’اگرچہ میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں۔ اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ اگرچہ میں بچہ ہوں لیکن اس مہم میں مَیں آپ کا ساتھ دوں گا‘‘۔

اس بیان کو سن کر حاضرین محفل ہنسنے لگے۔ ان کے خیال میں یہ محض ایک مذاق اور جنون کے سوا کچھ نہ تھا۔

بہرکیف اس داعی انقلاب کی یہ تحریک آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس صدائے حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد چالیس تک جا پہنچی اور اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ کھلم کھلا کلمہ حق کو بلند کیا جائے۔ اسی دوران آپ نے حرم کعبہ میں آکر توحید کا اعلان کردیا۔ اس مقدس چار دیواری میں خدائے واحد کی وحدانیت کی آواز بلند ہوتے ہی کفار ومشرکین مشتعل ہوگئے اور ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔

وہ دعوت حق جو انتہائی پرسکون ماحول میں پھل پھول رہی تھی اس کا رد دلائل کے بغیر جذباتی اشتعال انگیزی

سے کیا جانے لگا۔ معقولیت کے جواب میں تلواریں بے نیام ہوگئیں۔ دلائل کے مقابلے میں زبان درازی کے ساتھ ساتھ ظلم وستم شروع ہوگیا مخالفت تیز تر ہوتی چلی گئی اور ظلم وستم کا بازار گرم ہوگیا۔ کبھی دوران عبادت شوروغل کیا جاتا کبھی ہنسی وتمسخر اڑایا جاتا۔ کبھی نماز میں دوران سجدہ اونٹ کی غلاظت ڈال دی جاتی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے گلے میں چادر لپیٹ کر گلا گھونٹنے کی نوبت آگئی۔ دورانِ تلاوتِ کلام پاک قرآن کے ساتھ ساتھ خدا و رسول کو برا بھلا کہا جاتا۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے ، اوباش لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگادیا جاتا جو آپ پر آوازیں کستے اور تمسخر اڑاتے کہ کسی بھی طرح اس پیغام حق کو دبا کر اس کی آواز خاموش کرادی جائے۔ انہی حالات میں آپ کے ساتھ مکہ کی چند معتبر اور زور آور ہستیاں بھی آپ کی اس دعوت میں شامل ہوئیں تو صورتِ حال میں کچھ تبدیلی آئی۔

دعوت حق کی یہ تحریک ظلم و جور سے گھبرائے بغیر آگے بڑھتی رہی۔ داعی حق کی آواز پر لبیک کہنے والوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم بھی ملا بالآخر وہ وقت بھی آن پہنچا جس میں آپ ﷺ نے مکہ کو الوداع کہنے کا فیصلہ فرمایا۔ اب یہ دعوت حق مدینہ کی طرف رواں دواں ہوگئی۔ ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ اس تحریک کا مرکز بدلنے سے اس کا اجالا چاروں طرف پھیلنے لگا جوں جوں اس داعی اعظم کی محبت دلوں کو منور کرتی گئی ویسے ہی اسلام کا بول بالا ہوتا چلا گیا۔

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری سے دعوت حق کا دائرہ خود بخود بڑھتا گیا یہاں تک کہ سات ماہ کے قلیل عرصے میں تقریباً ہر قبیلے سے جانثاروں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور مدینہ کا معاشرہ مہاجرین وانصار کی لازوال محبت کا امین بن گیا۔ اس داعی اعظم کی جہد مسلسل سے ایک نئی مسلم برادری معرض وجود میں آگئی اور تیرہ برس کی قلیل مدت میں آپ کا پیغام قرب و جوار کی دیگر حکومتوں میں بھی پہنچ گیا کیونکہ یہ ایک ایسی دعوت تھی جس کا فطری تقاضا تھا کہ یہ صرف عرب کے خطے تک ہی محدود نہ رہے بلکہ کائنات ہستی کے گوشے گوشے تک پہنچ جاتے۔

اور یہ اس داعی اعظم کی بے مثال قیادت اور لازوال تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ چند برسوں کے مختصر عرصے میں اس تحریک کی روشنی نے پورے عالم کو منور کردیا اور الحمدللہ آج مسلمانوں کا وجود اسی محترم و مکرم ہستی کی جانفشانی کی بدولت باقی ہے۔ یہ اسی مقدس ہستی کا فیضان ہے کہ مسلمانوں کے سینوں میں آج بھی کلمہ حق کا ولولہ برقرار ہے اور یہ اسی داعی اعظم کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایک باضابطہ لائحہ عمل (قرآن وسنت) کی شکل میں موجود ہے۔ یہ پروردگار کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ ہمیں اس داعی اعظم کی تحریک/مشن میں حصہ لینے کا شرف حاصل ہوا اور ہم اسی داعی حق کی بدولت حالت ایمان پر قائم ہیں۔

☆☆☆☆☆

ہدیہ بحضور سرورِ کائنات ﷺ

مالک تسنیم و کوثر، صاحب جودو کرم
منتہائے خالقِ ارض و سما ذی محترم

اے شہ کون و مکاں، یا رحمۃ للعالمیں
نارسائی کو میری لے چل کبھی سوئے حرم

میں کہاں جاؤں تیرے در کی گدائی چھوڑ کر
کاسۂ قلبِ حزیں پر ہو تیرا لطف و کرم

ایک مدت سے ہوں باران سخا کی منتظر
بھیج دو اب میری جانب بھی کوئی ابرِ کرم

اس جہاں میں تو مجھے نسبت ہے تیری آل سے
اے شفیع المذنبین محشر میں بھی رکھنا بھرم

(ڈاکٹر فرخ سہیل)

حضور نبی اکرم ﷺ کا عمر رسیدہ افراد کیساتھ حسنِ سلوک

سینئر سٹیزن کی عزت و تکریم کا درس اسوۂ رسالت مآب ﷺ سے ملتا ہے

آپ ﷺ نے فرمایا باجماعت نماز میں عمر رسیدہ افراد ہوں تو قرأت میں تخفیف کر دی جائے

حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں معمر افراد کیلئے وظائف مقرر کئے

مسز فریدہ سجاد، انچارج ویمن سیکشن (FMRi)

یہ نظام قدرت ہے کہ انسان بشرط زندگی بچپن، لڑکپن اور جوانی کی بہاریں دیکھنے کے بعد بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ط اَفَلَا يَعْقِلُوْنَo (یٰس، ۳۶: ۶۸)

اور ہم جسے طویل عمر دیتے ہیں اسے قوت و طبیعت میں واپس (بچپن یا کمزوری کی طرف) پلٹا دیتے ہیں، پھر کیا وہ عقل نہیں رکھتےo

یعنی عمر رسیدہ افراد اپنی کمزوری، ناتوانی اور ضعیف العمری کی وجہ سے ذہنی و جسمانی لحاظ سے بچے کی مانند ہو جاتے ہیں، جو کل تک دوسروں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے آج وہ خود عمر کی اس منزل پر دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں اور ان کی خدمت و محبت کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں حسن سلوک کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں نوکروں یا حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی بجائے ان کی کمزوریوں اور ناتوانیوں کا مداوا بننے کی کوشش کی جائے۔ کسی کی تھوڑی سی محبت اور احساس میں گوندھی ہوئی توجہ انہیں اس عمر میں جینے کی نئی راہ دے سکتی ہے اور اس کے عوض بارگاہ الٰہی سے عظیم اجر عطا ہوتا ہے۔ عمر رسیدہ افراد کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں فرامین رحمتِ عالم ﷺ بڑے واضح اور اہمیت کے حامل ہیں۔

حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما أكرم شاب شيخا لسنه إلا قيض الله له من يكرمه عند سنه.

(ترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی إجلال الکبیر، ۴: ۳۷۲، رقم: ۲۰۲۲)

''جو جوان کسی بوڑھے کی عمر رسیدگی کے باعث اس کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس جوان کے لیے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے جو اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کرے گا۔''

اسلام، ایک آفاقی اور ہمہ گیر دین ہے جس میں زندگی گزارنے کے تمام تر طریقے اور انسانی ضروریات کی تکمیل کی مکمل تفصیلات ملتی ہیں حقوق انسانی کی جتنی رعایت اور احترام کی تاکید ہمیں دینِ اسلام میں ملتی ہے وہ دوسرے مذاہب میں کہیں نہیں ملتی پھر حقوق انسانی میں بطور خاص معمر افراد کے حقوق کا معاملہ درپیش ہو تو اسلام کا رویہ محض عدل و انصاف تک محدود نہیں رہتا بلکہ سراسر احسان پر مبنی قرار پاتا ہے۔

ہمارا دین اس قدر خوبصورت اور آسان ہے کہ یہ

''میں اپنے والد محترم حضرت ابو قحافہ ؓ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں لایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ اپنے والدِ بزرگوار کو گھر میں ہی رکھتے، میں خود وہاں آ جاتا۔''

عمر رسیدہ افراد کی خدمت اور ان کی عزت و تکریم کو باعث برکت قرار دیتا ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ عمر رسیدہ افراد کا بے حد ادب و احترام فرمایا کرتے تھے جس کی ایک جھلک ہمیں فتح مکہ کے بعد رونما ہونے والے حیرت انگیز واقعات میں نظر آتی ہے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بوڑھے والد آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرنے کے لیے مجلس میں لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان کی تعظیم میں کیا الفاظ ارشاد فرمائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جئت بأبی أبی قحافة رضی اللہ عنہ إلی رسول الله ﷺ فقال هلا ترکت الشیخ حتی آتیه

(حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۲۷۲، رقم: ۵۰۶۵)

”میں اپنے والد محترم حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں لایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ اپنے والدِ بزرگوار کو گھر میں ہی رکھتے، میں خود وہاں آجاتا۔“

یہ عمر رسیدہ افراد کی عملی قدر دانی ہے، جس کا آپ ﷺ ثبوت فراہم کررہے ہیں، آپ ﷺ نے ان کی تعظیم کرتے ہوئے یہ تصور نہ کیا کہ ابو قحافہ ایک طویل عرصہ تک کفر کی حالت میں رہے، اب کفر مغلوب ہوا تو وہ مسلمان ہورہے ہیں، بعض دفعہ انسان سابقہ اختلاف کی وجہ سے کسی کی تعظیم وتکریم سے کتراتا ہے؛ حالاں کہ اس میں ان لوگوں کے لیے اسوہ ہے کہ سن رسیدہ کی ہرصورت تعظیم کی جائے، آپ ﷺ نے بزرگوں کی تعظیم کو اجلال الٰہی کا حصہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن من إجلال الله إكرام ذی الشیبة المسلم

”بوڑھے مسلمانوں کی تعظیم کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حصہ ہے۔“

(أبو داؤد، السنن، کتاب الأدب، باب فی تنزیل الناس منازلھم، ۴: ۲۶۱، رقم: ۴۸۴۳)

اسی طرح بزرگوں کی عزت و تکریم کی عظمت کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن من إجلالی توقیر الشیخ من أمتی.

”بے شک میری اُمت کے معمر افراد کی عزت و تکریم میری بزرگی وعظمت سے ہے۔“

(ہندی، کنز العمال، ۳: ۱۷، رقم: ۳۱۰۶)

حضور نبی اکرم ﷺ کی سن رسیدہ افراد کے ساتھ احساس ہمدردی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوسکتی ہے کہ باجماعت نماز میں عمر رسیدہ افراد کی موجودگی کی وجہ سے قرأت میں تخفیف فرمانے کی تاکید فرماتے جیسا کہ حدیث مبارک سے ثابت ہے۔حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أن رجلا قال والله یا رسول الله إنی لأتأخر عن صلاة الغداة من أجل فلان مما یطیل بنا فما رأیت رسول الله ﷺ فی موعظة أشد غضبا منه یومئذ ثم قال إن منکم منفرین فأیکم ما صلی بالناس فلیتجوز فإن فیهم الضعیف والکبیر وذا الحاجة.

(بخاری، الصحیح، کتاب الجماعة والإمامة، باب تخفیف الإمام فی القیام وإتمام الرکوع والسجود، ۱: ۲۴۸، رقم: ۶۷۰)

ایک شخص عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم، میں صبح کی نماز سے فلاں کی وجہ سے رہ جاتا ہوں جو ہمیں لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو نصیحت کرنے میں اُس روز سے زیادہ ناراض نہیں دیکھا۔ فرمایا تم میں سے کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں۔ پس جو تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھانی چاہیے کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔

حضرت حسن بن مسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من تعظیم جلال الله تعظیم ذی الشیبة المسلم

(بیہقی، شعب الإیمان، ۷: ۴۶۰، رقم: ۱۰۹۸۷)

”یہ اللہ کے جلال اور بزرگوں کی تعظیم میں سے ہے

کہ اس مسلمان کی تعظیم کرنا جس کے بال سفید ہو چکے ہیں۔‘‘

حضرت سہل بن سعد ﷺ سے روایت ہے:

أتي النبی ﷺ بقدح فشرب منه وعن يمينه غلام أصغر القوم والأشياخ عن يساره فقال يا غلام أتأذن لی أن أعطيه الأشياخ.

(بخاری، الصحیح، کتاب المساقاۃ الشرب، باب فی الشرب وقول اللہ تعالی، ۲: ۸۲۹، رقم: ۲۲۲۴)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے اُس میں سے نوش فرمایا اور آپ کے دائیں جانب ایک نو عمر لڑکا تھا اور بائیں جانب عمر رسیدہ حضرات تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لڑکے! کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں یہ عمر رسیدہ لوگوں کو دے دوں۔‘‘

اس حدیث مبارک میں غور طلب امر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معمر افراد کے بائیں جانب بیٹھے ہونے کے باوجود اس بات کی کوشش کی کہ مشروب کا آغاز بڑوں ہی سے ہو، اس کے لیے بچے سے اجازت بھی مانگی، مذکورہ احادیث مبارکہ سے عمر رسیدہ افراد کی عزت و تکریم کا درس ہمیں اسوۂ رسالت مآب ﷺ سے ملتا ہے۔

ہر طرح کے سماجی اور معاشرتی معاملات میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے بڑوں کی تکریم اور ان کے ادب و احترام کا حکم دیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود خیبر پہنچے تو وہ دونوں باغات میں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ اسی اثناء میں عبد اللہ بن سہل شہید کر دیے گئے تو عبد الرحمن بن سہل اور مسعود کے بیٹے حویصہ اور محیصہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھی کے معاملہ میں انہوں نے گفتگو کی، جس کا آغاز عبد الرحمن نے کیا جبکہ وہ سب سے چھوٹے تھے، اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كبر الكبر.

(بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب إکرام الکبیر ویبدأ الأکبر بالکلام والسؤال، ۵: ۲۲۷۵، رقم: ۵۷۹۱)

’’بڑے کے مرتبے اور عزت کا خیال رکھو۔‘‘

یہ عمر رسیدہ افراد کی عملی قدر دانی ہے، جس کا آپ ﷺ ثبوت فراہم کررہے ہیں، آپ ﷺ نے ان کی تعظیم کرتے ہوئے یہ تصور نہ کیا کہ ابو قحافہ ایک طویل عرصہ تک کفر کی حالت میں رہے، اب کفر مغلوب ہوا تو وہ مسلمان ہورہے ہیں، بعض دفعہ انسان سابقہ اختلاف کی وجہ سے کسی کی تعظیم وتکریم سے کتراتا ہے؛ حالاں کہ اس میں ان لوگوں کے لیے اسوہ ہے کہ سن رسیدہ کی ہر صورت تعظیم کی جائے، آپ ﷺ نے بزرگوں کی تعظیم کو اجلال الٰہی کا حصہ قرار دیا ہے۔

درج بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ نے ہر موقع پر بوڑھوں کا لحاظ فرمایا اور ان کا اکرام آپ ﷺ نے انسانیت کی بنیاد پر کیا، ہر قسم کی رشتہ داری اور تعلق سے بالا تر ہو کر آپ ﷺ نے ہر سن رسیدہ کے اکرام کو ترجیح دی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جہاں اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی اور معاشی حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے وہاں بالخصوص عمر رسیدہ افراد کو بہت سے حقوق دیئے ہیں۔ انہیں قابل عزت وتکریم اور باعث برکت و رحمت قرار دیا گیا ہے۔

حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البركة مع أكابركم

(حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۱۳۱، رقم: ۲۱۰)

’’تمہارے بڑوں کے ساتھ ہی تم میں خیر و برکت ہے۔‘‘

حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُعَمَّرٍ يُعَمَّرُ فِي الْإِسْلَامِ أَرْبَعِينَ سَنَةً إِلَّا

صَرَفَ اللّٰهُ عَنْهُ ثَلَاثَةَ أَنْوَاعٍ مِنَ الْبَلَاءِ الْجُنُونَ وَالْجُذَامَ وَالْبَرَصَ فَإِذَا بَلَغَ خَمْسِينَ سَنَةً لَيَّنَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْحِسَابَ فَإِذَا بَلَغَ سِتِّينَ رَزَقَهُ اللّٰهُ الْإِنَابَةَ إِلَيْهِ بِمَا يُحِبُّ فَإِذَا بَلَغَ سَبْعِينَ سَنَةً أَحَبَّهُ اللّٰهُ وَأَحَبَّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ فَإِذَا بَلَغَ الثَّمَانِينَ قَبِلَ اللّٰهُ حَسَنَاتِهِ وَتَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئَاتِهِ فَإِذَا بَلَغَ تِسْعِينَ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ وَسُمِّيَ أَسِيرَ اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ وَشَفَعَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ.

(أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۲۷، رقم: ۱۳۳۰۳)

جب مسلمان بندہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین طرح کی بلائیں دور کر دیتا ہے، جنون، کوڑھ اور برص اور جب پچاس سال کا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف جھکنا نصیب فرماتا ہے اور جب ستر سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں ثابت رکھتا ہے اور اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے گھرانے کے آدمیوں کے بارے میں اسے شفاعت کرنے والا بناتا ہے اور آسمانوں میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی زمین میں اس کا قیدی ہے اور اس کے گھر والوں کے حق میں اس کی سفارش قبول فرماتے ہیں۔

عہد رسالت مآب ﷺ کے علاوہ عہد خلافت راشدہ میں بھی عمر رسیدہ افراد کے حقوق کا خصوصی خیال رکھا گیا اور انہیں کئی مراعات دی گئیں جو بوڑھے افراد کام کاج کے قابل نہیں تھے ان کے لیے وظائف مقرر کر دیئے جاتے۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم عمر رسیدہ افراد کی بھی امداد کی جاتی۔ جس کا عہد فاروقی کی درج ذیل مثال سے واضح اندازہ ہوتا ہے:

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جگہ سے گزر رہے تھے دیکھا کہ ایک نابینا بوڑھا بھیک مانگ رہا ہے آپ نے بھیک مانگنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا الجزیۃ والحاجۃ یعنی جزیہ اور معاشی ضروریات نے مجبور کر دیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے جا کر کچھ عطا کیا پھر بیت المال میں لے جا کر خزانچی کو حکم دیا انظر ہذا واضربائہ یعنی یہ اور اس قسم کے دوسرے حاجت مندوں کی تفتیش کرو یہ انصاف نہ ہو گا کہ ہم نے جوانی میں ان سے فائدہ اٹھایا اور اب بڑھاپے میں ہم ان کو بھول جائیں۔ الغرض اس کا اور اس قسم کے دوسرے معززین کا بیت المال سے وظیفہ جاری ہو گیا اور ان سے جزیہ ساقط ہو گیا۔

(ابو عبیدہ قاسم، کتاب اموال: ۵۷، رقم: ۴۱۳)

آج ہم حضرت عمر بن خطاب کے اس عمل کا ذکر تو کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلم اور غیر مسلم رعایا کے عمر رسیدہ افراد کے لیے ایک وظیفہ مقرر کیا جبکہ ہمارے ملک کا حال تو یہ ہے کہ ایک اندازے کے مطابق پاکستان اپنے بجٹ کا ۲ فیصد صحت پر خرچ کرتا ہے اور اگر عمر رسیدہ افراد کا حصہ اس میں سے اخذ کریں تو زیادتی کی وجہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہو گی۔

یہ المیہ ہے کہ اسلامی اصولوں کی بنیاد پر قائم کردہ مملکت پاکستان میں تمام افراد کو مذہبی، معاشی معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اخلاقی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں بے شمار حقوق اسلامی قوانین کی روشنی میں دینے کا حق تو دیا گیا ہے تاکہ ایک حقیقی اسلامی ریاست میں ان حقوق سے تمام شہری مستفیض ہو سکیں لیکن تاحال اس معاشرہ میں افراد کے حقوق کا نہ تو احترام ہے اور نہ ان کی ادائیگی کا نظام اور ضعیف العمر افراد کا تو کوئی پرسان حال نہیں۔

آج دور حاضر کی نوجوان نسل کو دین اسلام کی تعلیمات اور عملی مثالوں کے ذریعے طبقات انسانی بالخصوص معمر افراد کی تکریم کے لیے راہنمائی فراہم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسوہ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو کر انسانیت کے اس اہم طبقے کے ساتھ نرم گفتاری، حسن سلوک اور جذبہ خیر خواہی اختیار کریں۔ ان کے حقوق احسن طریقے سے پورے کریں۔ ضعیف العمری کے باعث چڑچڑا پن فطری تقاضا ہے لہٰذا بوڑھوں کی خلاف مزاج باتوں پر تحمل اور برداشت سے صرف نظر کریں تاکہ گھر اور معاشرہ دونوں امن و آشتی کا گہوارہ بن سکیں۔

☆☆☆☆☆

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تحریک منہاج القرآن نے نئی نسل میں آقا علیہ السلام کی محبت کو اجاگر کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کو شرق وغرب میں ایک عظیم الشان تہوار کے طور پر اجاگر کیا

تحریم رفعت

ماہ ربیع الاول نہ صرف امت مسلمہ بلکہ دنیائے عالم کے لیے خاص اہمیت کا حامل مہینہ ہے کیونکہ اس ماہ مقدس میں نبی آخرالزماں ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری ہوئی، جو بلا تفریق وتقسیم تمام عالم انسانیت کیلئے رحمت بن کر آئے۔ آپ نے ظلمت و تاریکی میں ڈوبی انسانیت کو گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نجات دلائی، اور انسانیت کو اس کی حقیقی معراج اور بلندی کے نکتہ کمال پر پہنچایا۔ اللہ رب العزت نے آپ کے ہاتھ میں سیادت رُسل کا علم اور سر پہ خاتمیت انبیاء کا تاج سجا کر اس دنیا میں مبعوث فرمایا گیا۔

ماہ ربیع الاول جسے ماہ ربیع النور بھی کہا جاتا ہے اسلامی تقویم کے لحاظ سے تیسرا مہینہ ہے، بالخصوص اس ماہ مقدس کی مناسبت سے دنیا بھر میں بسنے والے مسلمان عید میلادالنبی کے طور پر مناتے ہیں، اس ماہ مبارک میں محافل حمد و نعت، محافل قرأت و نعت، محافل سماع، محافل میلاد النبی و سیرت النبی ﷺ وغیرہ بھرپور جوش و جذبہ اور پوری مذہبی عقیدت واحترام سے مناتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ (ابراہیم، 5)

اور انہیں اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ (جو ان پر اور پہلی امتوں پر آچکے تھے)۔

امام المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کے نزدیک ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں۔ جن میں رب تعالیٰ کی کسی نعمت کا نزول ہوا ہو۔ ان ایام میں سب سے بڑی نعمت کے دن سید عالم ﷺ کی ولادت ومعراج کے دن ہیں، ان کی یاد قائم کرنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے)۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت حضور نبی رحمت ﷺ خود ہیں، لہٰذا حکم ربی کے تحت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل و کرم پر شکر بجا لانا تقاضائے عبودیت و بندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت پر شکر بجالانے کا ایک معروف طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان حصولِ نعمت پر خوشی کا اظہار کرنے کے ساتھ اس کا دوسروں کے سامنے ذکر بھی کرتا رہے کہ یہ بھی شکرانہ نعمت کی ایک صورت ہے اور ایسا کرنا قرآن حکیم کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (الضحیٰ، ۹۳:۱۱)

اور اپنے رب کی نعمتوں کا (خوب) تذکرہ کریں٥

اِس میں پہلے ذکرِ نعمت کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو دل وجان سے یاد رکھا جائے اور زبان سے اس کا ذکر کیا جائے لیکن یہ ذکر کسی اور کے لیے نہیں فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اس کے بعد تحدیثِ نعمت کا حکم دیا کہ کھلے بندوں مخلوقِ خدا کے سامنے اس کو یوں بیان کیا جائے کہ نعمت

کی اہمیت لوگوں پر عیاں ہوجائے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ ذکر کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور تحدیثِ نعمت کا تعلق مخلوق سے ہے کیوں کہ اس کا زیادہ سے زیادہ لوگوں میں چرچا کیا۔

اللہ رب العزت نے مومنین سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. (آل عمران،۳:۱۶۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے عظمت والا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اپنے یوم ولادت کے موقع پر اللہ رب العزت کے ہاں سپاس گزار ہوتے ہوئے پیر کے دن روزہ رکھتے، اور تحدیث نعمت کا شکر بجا لاتے ہوئے صحابہ کرام کے جھرمٹ میں محفل شکرانہ کا اہتمام فرماتے، کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم،۱۴:۷)

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کی موجودگی میں اصحاب مدینہ بالخصوص بنونجار کی معصوم بچیاں اور اوس وخزرج کی عفت شعار خواتین دف بجا کر دل و جان سے محبوب ترین اور عزیز ترین مہمان کو طلع البدر علینا جیسے خوبصورت اشعار سے خوش آمدید کہہ رہی تھیں، اس عمل کو آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا اور یقیناً یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کی طبعیت کیلئے سکون اور راحت کا سامان تھا۔ لہٰذا جشن عید میلاد النبی کی مستحسن اور مبارک محافل کو حرام قرار دینا حقائق سے لاعلمی، ضد اور ہٹ دھرمی کے سواء کچھ نہیں ہے۔

کتب سیر و احادیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آمد کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے:

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُونَ: يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللهِ!

مرد اور عورتیں گھروں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے، سب نعرے لگا رہے تھے: یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!

(مسلم، الصحیح، 4: 231، رقم 2009)

دیگر روایات کے مطابق اہل مدینہ جلوس میں یہ نعرہ لگا رہے تھے:

جَاءَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم

اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے عظیم نونہال کے واقعاتِ ولادت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

لما فصل منّي خرج معه نور أضاء له ما بين المشرق إلى المغرب.

جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے شرق تا غرب سب آفاق روشن ہوگئے۔

متعدد کتب سیرت کی روایات میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وقتِ ولادت اُن سے ایسا نور خارج ہوا جس کی ضوء پاشیوں سے اُن کی نگاہوں پر شام میں بصریٰ کے محلات اور بازار روشن ہوگئے یہاں تک اُنہوں نے بصریٰ میں چلنے والے اونٹوں کی گردنیں بھی دیکھ لیں۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں، (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی میں خانہ کعبہ کے پاس تھی ، میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے روشن ہوگیا ۔ اور ستارے زمین کے اتنے قریب آگئے کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر گر نہ پڑیں)۔

جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخی خوشی میں مسرت و شادمانی کا اظہار ہے اور یہ ایسا مبارک عمل ہے جس سے ابولہب جیسے کافر کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر ابولہب جیسے کافر کو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی میں ہر پیر کو عذاب میں تخفیف نصیب ہوسکتی ہے۔ تو اُس مومن مسلمان کی سعادت کا کیا ٹھکانا ہوگا جس کی زندگی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشیاں منانے میں بسر ہوتی ہو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اپنے یومِ ولادت کی تعظیم فرماتے اور اِس کائنات میں اپنے ظہور وجود پر سپاس گزار ہوتے ہوئے پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے یوم ولادت کی تعظیم و تکریم فرماتے ہوئے تحدیثِ نعمت کا شکر بجا لانا حکم خداوندی تھا کیوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے وجودِ مسعود کے تصدق وتوسل سے ہر وجود کو سعادت ملی ہے۔

جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مسلمانوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام جیسے اَہم فرائض کی رغبت دلاتا ہے اور قلب ونظر میں ذوق و شوق کی فضاء ہموار کرتا ہے، صلوۃ وسلام بذات خود شریعت میں بے پناہ نوازشات و برکات کا باعث ہے۔ اس لیے جمہور اُمت نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِنعقاد مستحسن سمجھا۔

سیرتِ طیبہ کی اَہمیت اُجاگر کرنے اور جذبۂ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروغ کے لیے محفلِ میلاد کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اِسی لیے جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فضائل، شمائل، خصائل اور معجزاتِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ اور اُسوۂ حسنہ کا بیان ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے علم و نور کی ایسی شمعیں روشن کیں جس نے عرب جیسے علم و تہذیب سے عاری معاشرے میں جہالت کے اندھیروں کو ختم کر کے اسے دنیا کا تہذیب یافتہ معاشرہ بنا دیا، آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں امن، اخوت، بھائی چارہ، یکجہتی اور ایک دوسرے کو برداشت کا درس دیا۔

اگر صرف 25 سے 30 سال قبل ہم اپنے معاشرے کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت ہم پر روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے گی کہ بلاشک و شبہ یہ منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ہی ہیں جن کی بدولت آج معاشرہ میں فرقہ بندی، فتویٰ بازی اور مناظرہ ومجادلہ کی بجائے عید میلادالنبی اور جشن عید میلاد النبی منایا جاتا ہے، اور معاشرے میں اسے ایک عید اور جشن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر شیخ الاسلام کی تصانیف و مدلل خطابات نہایت قیمتی اثاثہ ہیں جن میں میلاد النبی ﷺ کی فرضیت، علمی وفنی حیثیت، جواز کے دلائل اور پروپیگنڈہ کے مدلل جوابات موجود ہیں، جو تاریخ انسانیت کیلئے مشعل راہ ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے نگر نگر گلی گلی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کو ایک عظیم عید کے طور پر منانے کا جو رواج قائم کیا ہے اس کے روح پرور اثرات وثمرات نہ صرف پاکستان بلکہ متعدد دیگر ممالک میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے نوجوان نسل کو روشناس کروانے میں تحریک منہاج القرآن دنیا بھر میں کلیدی کردار ادا کر رہی ہے۔

یہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا امت مسلمہ پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے ایک معتدل معاشرے کی بنیاد رکھی اور روئے دنیا پر اپنے مراکز کے تحت انسانوں کی فلاح و بہبود اور رشد و ہدایت کے مواقع فراہم کیے ہیں۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دنیا بھر میں چرچے کرنے اور نوجوان نسل کے دلوں میں عشق رسول اور محبت اہل بیت اطہار کے چراغ روشن کرنے پر صحت و سلامتی کے ساتھ درازی عمر عطا فرمائے اور دنیا بھر میں لوگوں کو شیخ الاسلام کا دست و بازو بن کر دین مصطفوی کا پیغام عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اس مشن پر ہمیشہ استقامت عطا فرمائے اور ہماری ٹوٹی پھوٹی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

☆☆☆☆☆

شمائل مصطفیٰ ﷺ قرآن کی روشنی میں

آپ ﷺ بنی نوع انسانیت کے لئے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجے گئے

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سراج المنیر بنا کر بھیجا

بے شک آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں

آسیہ سیف قادری

اللہ رب العزت نے آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مقدس ہستی کو تمام بنی نوع انسان کے لیے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا آپ کی مقدس شخصیت نہ صرف اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے اور بزم جہاں میں شمع ہدایت بن کر آئی بلکہ آپ تمام بشری کمالات و محاسن کا مجموعہ اور سراپا حسن و جمال بن کر تشریف لائے۔ پیکر دلربا بن کے آئے، روح ارض و سما بن کے آئے، سب رسول خدا بن کے آئے، وہ حبیب خدا بن کے آئے۔ آپ کو رب کائنات نے چونکہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت احسن تقویم کا شاہکار بنا کر بھیجا۔

یہ فطرت انسانی ہے کہ وہ جب بھی کسی ہستی یا شخصیت سے متاثر ہوکر اس کا گرویدہ، مطیع یا شیدا ہوتا ہے تو اس کی بنیادی طور پر تین بڑی وجوہات ہوا کرتی ہیں۔ یہ تین صورتیں یا تین جہتیں ہوسکتی ہیں۔

اول: یا تو وہ کسی کی عظمت و رفعت اور فضیلت و کمالات کی وجہ سے اس سے متاثر ہوکر اس کا گرویدہ ہوجاتا ہے اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس کا تابع و مطیع ہوجاتا ہے۔

اس جہت سے اگر حضور ﷺ کی ذات بابرکات کو پیش نظر رکھا جائے تو آپ نبوت و رسالت کے سب سے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز دکھائی دیتے ہیں۔ نبوت و رسالت کے تمام تر درجات، کمالات، معجزات اور فضائل جو مختلف انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیے وہ سب آپ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں بلکہ جو سب پیغمبروں اور رسولوں کو جدا جدا ملا وہ میرے آقا مصطفیٰ ﷺ کو یکجا ملا۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا:

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور دوسری خوبی جس کی وجہ سے انسان کسی سے متاثر ہوتا ہے وہ اس کے اخلاق و کردار اور خصائص کی اعلیٰ خوبیاں ہیں اگر کسی کے ہم پر بہت زیادہ احسانات ہوں یا کوئی بے حد مہربان و غمگسار اور شفیق ہو تو بھی آپ اس کے احسانات کی وجہ سے دل سے اس کی عزت و قدر کرتے ہیں اور نتیجتاً اس سے عقیدت و محبت کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کائنات میں سب سے اعلیٰ اخلاق پر فائز ذات بھی مصطفیٰ ﷺ کی ہے جن کے اخلاق کے عظیم ہونے کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دے دی۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ. (القلم،٦٨:٤)

”اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ الٰہیہ سے متصف ہیں)“۔

اور احسانات اور رحمتوں کا عالم یہ ہے کہ سارے جہانوں کے لیے ان کا وجود سراپا رحمت ہے جیسا کہ سورۃ انبیاء میں ارشاد ربانی ہے:

یہ کتنی عظیم بات ہے کہ خدا نے اپنے کلام کو رسول کریم ﷺ کے کلام سے تعبیر فرمایا پھر قرآن نے ذہن انسانی سے اس خلیجان کو رفع کرنے کے لیے انسان ہونے کے ناطے اس رسول ﷺ کے کلام کو انسانی کلام پر محمول نہ کرلیا جائے۔ واشگاف انداز میں اعلان کردیا کہ میرا رسول خواہش نفس سے ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتا بلکہ جو کہتا ہے اللہ کی طرف سے وحی ہوتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ. (الانبیاء،۱۲: ۱۰۷)

اور بالمومنین روف الرحیم تو ہیں ہی اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود مومنوں کے لیے حضور ﷺ کی بعثت کو اپنا سب سے بڑا احسان قرار دے دیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا. (آل عمران،۳:۱٦٤)

تحقیق اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں سے ہی اپنا رسول مبعوث فرمایا ایسی صورت کہ جس کی وجہ سے انسان بے ساختہ کسی سے والہانہ محبت وعشق کرنے لگ جاتا ہے اور بے خود و دیوانہ ہوکر کسی پر دل و جان سے فدا ہوجاتا ہے اس کے حسین و جمال پیکر دلربا کو دیکھ کر بندہ بے ساختہ اس پر فریفتہ ہوجاتا ہے اور اگر اس پہلو یا اس زاویہ نگاہ کے مطابق سراپا مصطفیٰ ﷺ پر نگاہ ڈالی جائے تو یہاں پر حسن وجمال کی تمام تر رعنائیاں اور خوبصورتی کے تمام تر معیار حسن مصطفیٰ ﷺ پر نثار نظر آتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ حضور علیہ السلام کے حسن سراپا کے بارے میں اپنے نعتیہ کلام میں کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

واحسن منك لم ترقط عينى
واجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرا من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشآء

سردست ہمارا منشاء اس بات کا کھوج لگانا ہے کہ حضور ﷺ کے شمائل مبارکہ کے باب میں جو احادیث کا عظیم ذخیرہ موجود ہے قرآن اس کی تائید میں کیا صادر کرتا ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکر مصطفیٰ اور سیرت مطہرہ اور شمائل و فضائل کے باب میں قرآن سے بڑھ کر زیادہ مستند اور معتبر ذریعہ کوئی نہیں چنانچہ قرآن نے حضور ﷺ کے سراپا مبارک اور حسن مجسم کا بیان ایسے دلآویز انداز سے کیا ہے کہ عاشقان جمال مصطفیٰ ﷺ اسے سن کر وجد میں آجاتے ہیں اور ان کے دل میں عشق و محبت کے ایسے چراغ روشن ہوجاتے ہیں جنہیں حوادث زمانہ کی کوئی آندھی بجھا نہیں سکتی۔

قرآن اور سراپا مصطفیٰ ﷺ کا بیان:

قرآن حضور ﷺ کے وجود مسعود کو سراپا نور قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ.

’’بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)‘‘۔ (المائدۃ،۵: ۱۵)

تمام مشترقین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں نور سے مراد ذات مصطفیٰ ﷺ ہے۔

حسن سراپا مصطفیٰ ﷺ کو سراج منیر قرار دینا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا.

’’اے نبیِّ (مکرّم!) بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)‘‘۔ (الاحزاب،۳۳: ۴۵-۴۶)

حضور ﷺ کے حسن سراپا کو سراج منیر قرار دیا جانا ایک قرآنی استعارہ ہے۔ سراج لغت میں آفتاب یا چراغ کو کہتے ہیں اور منیر اسے کہتے ہیں جو دوسروں کو روشن کردے۔

یعنی حضور ﷺ کا وجود نہ صرف خود روشن و منور ہے بلکہ چاروں طرف روشنی بھی بانٹ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے

کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کی پوری زندگی کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ.

''(اے حبیبِ مکرّم!) آپ کی عمرِ مبارک کی قَسم، بے شک یہ لوگ (بھی قومِ لوط کی طرح) اپنی بدمستی میں سرگرداں پھر رہے ہیں''۔ (الحجر، ۱۵: ۷۲)

جس اللہ نے کسی نبی پیغمبر کی پوری زندگی کی قسم یوں نہیں کھائی یہ منفرد مقام و مرتبہ صرف حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو حاصل ہے کہ آپ کی پوری زندگی کی قسم کھائی جارہی ہے۔

چہرہ انور اور گیسوئے عنبریں کی قسم:

قرآن مجید کے صفحات حضور ﷺ کے جسد اطہر کے اعضاء مبارک یعنی چہرہ انور گیسوئے مبارک اور چشمان مقدس کے ذکر تک سے معمور ہیں۔

وَالضُّحٰى. وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى. مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى. (الضحیٰ، ۹۳: ۱ تا ۳)

''قَسم ہے چاشت کے وقت کی (جب آفتاب بلند ہوکر اپنا نور پھیلاتا ہے)۔ اور قَسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ آپ کے رب نے (جب سے آپ کو منتخب فرمایا ہے) آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی (جب سے آپ کو محبوب بنایا ہے) ناراض ہوا ہے''۔

یہاں تشبیہ کے پیرائے میں چاشت کی طرح چمکتے ہوئے چہرہ زیبا کا ذکر والضحیٰ کہہ کر اور آپ ﷺ کے شانوں کو سیاہ رات کی طرح چھائی ہوئی زلفوں کا ذکر واللیل کہہ کر کہا گیا ہے۔

حضور ﷺ کی چشمان مقدس کا بیان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آقا دو جہاں کی مبارک آنکھوں کا بھی ذکر کیا ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى. (النجم، ۵۳: ۱۷)

''اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو تکنا تھا اسی پر جمی رہی)''۔

قرآن و سنت آیات الٰہیہ کے باب میں حضور ﷺ کے کمال بصارت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى.

''بے شک انہوں نے (معراج کی شب) اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔ (النجم، ۵۳: ۱۸)

حضور ﷺ کی پشت مبارک کا بیان:

قرآن مجید نے حضور پاک ﷺ کی پشت مبارک کا بھی ذکر کیا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. (الانشراح، ۹۲:۱)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرما دیا''۔

منصب نبوت اور عظیم پیغمبرانہ مشن کی ذمہ داریوں کا بوجھ جو آپ کی پشت مبارک پر تھا جسے رب العزت نے کمال لطف وشفقت سے ہلکا کردیا تھا۔

گفتار مصطفیٰ ﷺ کا ذکر:

قرآن مجید حضور ﷺ کی بول چال، گفتگو اور ذہن مبارک کا ذکر بھی کرتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. (الحاقه، ۶۹: ۴۰)

''بے شک یہ (قرآن) بزرگی وعظمت والے رسول (ﷺ) کا (منزّل من اللہ) فرمان ہے، (جسے وہ رسالتاً اور نیابتاً بیان فرماتے ہیں)''۔

یہ کتنی عظیم بات ہے کہ خدا نے اپنے کلام کو رسول کریم ﷺ کے کلام سے تعبیر فرمایا پھر قرآن نے ذہن انسانی سے اس خلیجان کو رفع کرنے کے لیے انسان ہونے کے ناطے اس رسول ﷺ کے کلام کو انسانی کلام پر محمول نہ کرلیا جائے۔ واشگاف انداز میں اعلان کردیا کہ میرا رسول خواہش نفس سے ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتا بلکہ جو کہتا ہے اللہ کی طرف سے وحی ہوتا ہے۔

ایسی صورت کہ جس کی وجہ سے انسان بے ساختہ کسی سے والہانہ محبت وعشق کرنے لگ جاتا ہے اور بے خود و دیوانہ ہوکر کسی پر دل و جان سے فدا ہوجاتا ہے اس کے حسین و جمال پیکر دلربا کو دیکھ کر بندہ بے ساختہ اس پر فریفتہ ہوجاتا ہے اور اگر اس پہلو یا اس زاویہ نگاہ کے مطابق سراپا مصطفیٰ ﷺ پر نگاہ ڈالی جائے تو یہاں پر حسن وجمال کی تمام تر رعنائیاں اور خوبصورتی کے تمام تر معیار حسن مصطفیٰ ﷺ پر نثار نظر آتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی.

”اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے“۔ (النجم، ۵۳: ۳،۴)

بس حضور ﷺ کے لب سے جو کلام ہوتا ہے وہ وحی الٰہی ہے، بس اتنا فرق ضرور ہے کہ اگر وہ وحی جبرائیل امین علیہ السلام کے توسط سے قلب مصطفیٰ ﷺ پر اترے تو اسے قرآن کہا جاتا ہے اور وہ وحی جلی اور وحی متلو کہلاتی ہے جبکہ دوسری وحی خفی اور غیر متلو کہلاتی ہے اور اسے حدیث کا درجہ حاصل ہے۔

فعلِ مصطفیٰ ﷺ فعلِ خدا ہے:

جس طرح حضور ﷺ کی ہر بات از روئے قرآن اور وحی الٰہی ہوتی ہے اسی طرح حضور ﷺ کے فعل کو بھی فعل خداوندی قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ ط يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ. (الفتح، ۴۸: ۱۰)

”(اے حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے“۔

اس آیت میں بیعت رضوان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے حالانکہ صحابہؓ نے حضور ﷺ کے دس اقدس پر بیعت کی تھی۔

قلب مصطفیٰ ﷺ اور قرآن:

حضور ﷺ نے کمال بصارت کے ذکر کے بعد قرآن آپ کے قلب انور کا ذکر بھی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى. (النجم، ۵۳: ۱۱)

”(اُن کے) دل نے اُس کے خلاف نہیں جانا جو (اُن کی) آنکھوں نے دیکھا“۔

حضور ﷺ کے دست اقدس کا بیان:

قرآن مجید میں اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے ہاتھوں کا ذکر اس شان سے کیا ہے کہ دست مصطفیٰ ﷺ کو اپنا دست اقدس قرار دے دیا۔

يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ. (الفتح، ۴۸: ۱۰)

”ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے“۔

حضور ﷺ کے سینہ اقدس کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے سینہ اقدس کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو شرح صدر کی دولت عنایت فرمادی۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. (الانشراح، ۹۴: ۱)

”کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرما دیا“۔

فرمایا حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے شرح صدر کی دعا کی جسے قرآن نے بیان کیا۔ رب شرح لی صدری۔ اور مقام مصطفیٰ ﷺ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے شرح صدری کا اعلان فرمادیتے ہیں اور فرمایا لک تمہارے لیے کھولا تاکہ تو راضی ہوجائے اور کتنا کشادہ کیا انشرح صدر مقصد اور وسعت کا تعین نہیں فرمایا پس مفہوم کچھ یوں ہوگیا اے محبوب ہم نے آپ کا سینہ اس قدر کھول دیا کہ ارض و سماء کی ساری وسعتیں اس میں سماگئی ہیں۔ میں نے تمام اسرار و رموز کے خزانے آپ کے سینے میں سمودیئے ہیں۔

آپؐ کی ہر ادا باری تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا مرکز ہے نگاہ مصطفیٰؐ اور حضور کے تکنے کا ذکر:

اللہ تعالیٰ نے چہرہ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر اتنی شان کے ساتھ کیا کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کو تکتے رہنا اور اپنی نگاہوں میں رکھنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ جیسا کہ قبلہ کی تبدیلی کے واقع سے معلوم ہوتا ہے۔

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا ۔ (البقرہ، ۲: ۱۴۴)

''(اے حبیب) بے شک ہم نے آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ لیا۔ پس بے شک ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں''۔

دوسرے مقام پر قرآن نے واضح کردیا ہے کہ آپ کا ہر عمل اور ہر ادا رب العزت کی توجہ کا مرکز ہے۔

حضورؐ کے قیام و رکوع اور نشست و برخاست کا ذکر:

اَلَّذِیۡ یَرٰىكَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ۔ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ۔ (الشعراء، ۲۶: ۲۱۸۔ ۱۲۹)

''جو آپ کو (رات کی تنہائیوں میں بھی) دیکھتا ہے جب آپ (نمازِ تہجد کے لیے) قیام کرتے ہیں اور سجدہ گزاروں میں (بھی) آپ کا پلٹنا دیکھتا (رہتا) ہے''۔

یعنی اے محبوب ﷺ ہم لحہ لحہ آپ کو تکتے رہتے ہیں آپ کو اپنی نگاہوں میں رکھتے ہیں آپ کی زندگی کا کوئی لحہ ایسا نہیں جو ہماری خصوصی نوازشات سے سرفراز نہ ہو یہاں تک کہ جب تو اٹھتا بیٹھتا ہے تو ہم تیری نشست و برخاست کو بھی دیکھتے ہیں۔

حضور ﷺ کی آواز کا ذکر:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی بارگاہ کے آداب بجا لانے کی تعلیم فرمائی تو حکم دیا خبردار تمہاری آوازیں میرے نبی کی آواز سے اونچی نہ ہونے پائیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ ۔ (الحجرات، ۴۹: ۲)

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیِ مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو''۔

آنحضور ﷺ کو مخاطب کرنے کا ذکر:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مخاطب کرنے کا ادب بھی سکھایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو عام انسان سمجھ کر انہیں بلند آواز سے نہ پکاریں۔

وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ ۔

''اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو''۔ (الحجرات،۴۹: ۲)

الغرض ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مختلف انداز میں کبھی تمثیل وتشبیہ سے کبھی رمزو اشارہ سے کبھی کنایہ مجاز سے اور کبھی صراحت وضاحت سے حضور ﷺ کے حسن سراپا اور نور مجسم کا ذکر کرتا ہے تاکہ آپ کے حسن و جمال کے تذکرے سے اہل ایمان کے دلوں میں حضور ﷺ کے لیے عشق ومحبت کا داعیہ پیدا ہو تاکہ محبوب کی تقلید و اتباع سے مشام جاں لذت و حلاوت کی چاشنی محسوس کرتے ہیں۔ بے شک یہ عظمت بلا شرکت غیرے حضور ﷺ کے حصے میں آئی ہے کہ آپ جیسا حسین وجمیل، سراپا نور اللہ نے نہ پیدا کیا ہے نہ کرے گا۔

نبیوں میں نبی ایسے کہ ختم الانبیاء ٹھہرے
حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوب خدا ٹھہرے

☆☆☆☆☆

> حضور ﷺ کے حسن سراپا کو سراج منیر قرار دیا جانا ایک قرآنی استعارہ ہے۔ سراج لغت میں آفتاب یا چراغ کو کہتے ہیں اور منیر اسے کہتے ہیں جو دوسروں کو روشن کردے۔ یعنی حضور ﷺ کا وجود نہ صرف خود روشن و منور ہے بلکہ چاروں طرف روشنی بھی بانٹ رہا ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری۔۔۔آنچہ خوباں ہمہ دارد، تو تنہا داری

سیرت رسول ﷺ میں زندگی کے رہنما اصول

سیرت نبوی ﷺ کا ہر پہلو امت کے لئے مینارہ ہدایت ہے

آپ ﷺ مجسم حیا اور عصمت و وقار کا کامل نمونہ تھے

تحریر: ارشاد اقبال اعوان

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب:۱۲)

ترجمہ: فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ اخلاق حسنہ و سیرت طیبہ کے اعتبار سے وہ منور آفتاب ہے، جس کی ہر جھلک میں حسن خلق نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات پاک میں حضرت عیسیٰ کا حلم حضرت موسیٰ کا جوش اور حضرت ایوب کا صبر پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کے لئے بستیوں اور بیابانوں میں اللہ کا پیغام پہنچایا، مخالفین کی سنگ زنی وسختیاں سہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرح وطن چھوڑا اور ہجرت کی مگر پھر بھی دنیا انسانیت کو امن و محبت، رحمت اور سلامتی کا پیغام دیا۔ حضرت سلیمانؑ کی طرح اس دنیا میں حکمت کی طرح ڈالی غرض وہ تمام خوبیاں، اوصاف حمیدہ جو پہلے نبیوں میں پائی جاتی تھیں۔ وہ سب بدرجہ کمال حضور اکرم ﷺ کی ذات میں موجود تھیں۔

حسن یوسف ،دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارد ،تو تنہا داری

اسلام ایک ابدی مذہب اور سرمدی اصول ہے۔ امن و سلامتی کا ذریعہ اور صلح و آشتی کا سرچشمہ ہے۔ قبل از اسلام دنیا کے حالات ناگفتہ بہ تھے۔ سینکڑوں خرابیاں اور بے شمار برائیاں سماج میں رائج تھیں توحید کی جگہ شرک خیر کی جگہ شر ،امن کی جگہ جنگ اور عدل وانصاف کی جگہ ظلم واستبداد نے لے لی تھی۔ عورت کی معاشرے میں کوئی تکریم نہیں تھی۔ بیٹی کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی اگر جنگ شروع ہوجاتی تو وہ جنگ کئی سالوں تک جاری رہتی۔ شراب نوشی، جوئے بازی اور اوہام پرستی ان کے رگ و ریشے میں سمایا ہوا تھا۔ انسانیت سسک رہی تھی، بلک رہی تھی اور کسی ایسے مسیحا کا انتظار کر رہی تھی جو سارے جہاں کا درد اپنے دل میں سمیٹ سکے ان جاہلانہ رسومات ،خود ساختہ مذہبی ،سماجی بندشوں ،تہذیبی اور اخلاقی تنزلی ،فتنہ و فساد ،تخریب کاری ،خرافات کا خاتمہ کر سکے جو ایسی تحریک چلائے جس سے اوہام پرستی کا خاتمہ ہو جائے جہالت وگمراہی کے اندھیروں ،ظلم و جبر کی زنجیر کو توڑ کر غریبوں، بیواؤں یتیموں اور کمزوروں کے استحصال کو روکے بالآخر رب ذوالجلال کی رحمت جوش میں آئی۔ ظلم و بربریت کی تاریکی میں ہدایت کا ایسا سورج طلوع ہوا جس کی روشنی سے ہر سو اجالا ہو گیا۔

ولادت رسول اکرمؐ سے پہلے برکات کا ظہور:

رسول خدا کی ولادت کے ساتھ ہی ایسے معجزات

جشن میلاد النبی ﷺ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں چراغاں

رونما ہوئے جو اس امر کا پیش خیمہ تھے کہ وہ عہد آچکا ہے کہ جس میں فرسودہ نظام اور توہم پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ سند الا صفیا ،اشرف الانبیا احمد مجتبیٰ عالم وجود میں رونق افروز ہوچکے ہیں اور آپ ﷺ عرب کی سر زمین پر ایک نئی تہذیب اور الٰہی نظم ونسق کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والے تھے لہذا ولادت کے پہلے ہی دن نظام جاہلیت کے کلیساؤں میں خطرات کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ فارس کے آتش کدہ میں جو آگ ہزاروں سال سے جل رہی تھی وہ بجھ گئی۔ ان واقعات کے رونما ہونے سے بڑے بڑے سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ آخر کائنات کا نظام اچانک تبدیل کیسے ہوگیا اور دنیا میں کونسا ایسا واقعہ رونما ہوا ہے جسکے اثرات انکے مذہبی عقائد پر مرتب ہو رہے ہیں۔ الغرض چالیس سال تک اس پر آشوب اور بدترین عہد میں رسول خدا ﷺ نے اپنی صداقت اور دیانت داری کا لوہا منوایا اور جب فاران کی چوٹیوں سے اعلان رسالت کیا تو عرب ہی نہیں بلکہ تمام عالم میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔وہ تہذیب اور قانون الٰہی کی بالادستی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دم توڑ چکی تھی رسول اللہ ﷺ کی آمد سے اس کو نئی زندگی مل گئی۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ
لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقَّهُ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے صاحب جمال کل اے سرورِ بشر
رُوئے منیر سے ترے روشن ہوا قمر
ممکن نہیں کہ تیری ثنا کا ہو حق ادا

وَالد ماجد کا اِنتقال وِلادت سے پہلے ہی ہوچکا تھا۔ آپ ﷺ کی ولادت کی خبر جب آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کو ملی تو وہ خوشی سے حرم کعبہ سے اپنے گھر آئے اور والہانہ جوش ومحبت سے اپنے پوتے کو سینے سے لگایا اور کعبہ میں لے جاکر خیر برکت کی دعائیں مانگیں اور آپ ﷺ کا نام محمد رکھا۔

حلیمہ سعدیہ کو جب آمنہ کے لال کی خبر ملی تو بی بی آمنہ کے گھر سے اپنی گود میں لے گئیں اور آپ کو حلیمہ سعدیہؓ نے دودھ پلایا۔ پھر آپ ﷺ کی عمر مبارک 6 سال کی ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ آپ ﷺ کو مدینہ آپ کے ننہال لے گئیں۔ واپسی میں بمقامِ ابوا اُن کا انتقال ہوگیا ۔اور آپ ﷺ کی پرورش اُمّ ایمن کے سپرد ہوئی۔8 سال کے ہوئے تو دادا کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا، کفالت کا ذمہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے لیا۔ 9 سال کی عمر میں چچا کے ساتھ شام کا سفر فرمایا اور 25 سال کی عمر میں شام کا دوسرا سفر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی تجارت کے سلسلہ میں فرمایا اور اس سفر سے واپسی کے 2 ماہ بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے عقد ہوا۔35 سال کی عمر میں قریش کے ساتھ تعمیرِ کعبہ میں حصہ لیا۔ حجرِ اسود کے بارے میں قریش کے اُلجھے ہوئے جھگڑے کا حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔ جس سے ایک ایسی خون ریز جنگ ٹل گئی جس کے نتیجے میں نہ جانے کتنا خون خرابہ ہوتا۔

تعلیم وتربیت:

حضور ﷺ کا امی لقب ہے آپ ﷺ نے دنیا کے کسی معلم سے تعلم نہیں کیا آپ ﷺ من جانب اللہ متعلم تھے ظاہر ہے جس ہستی کو تعلیم دینے والا خود خالق کائنات، اللہ جل جلالہ ہو اسے کسی اور سے تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہوگی آقا کریم کے والد آپ کی ولادت باسعادت سے قبل انتقال فرما گئے تھے اور ماحول و معاشرہ سارا بت پرست تھا مگر آپ ﷺ نہ صرف ان تمام آلائشوں سے پاک صاف رہے بلکہ جسمانی ترقی کے ساتھ ساتھ عقل وفہم اور فضل وکمال میں بھی ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ سب نے یکساں و یک زبان ہوکر آپ ﷺ کو صادق وامین کا خطاب دیا۔

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

خلوت و عبادت:

بچپن میں آپ ﷺ نے اماں حلیمہ کی بکریاں بھی چرائیں جب آپ ﷺ کی عمر مبارک کا چالیسواں سال شرع ہوا تو آپ کی ذات اقدس میں ایک نیا انقلاب رونما ہو گیا۔ آپ ﷺ کو خلوت پسند آئی چنانچہ غارِ حرا میں کئی کئی راتیں عبادت میں گزر جاتیں۔ خلوت میں اللہ کی عبادت کا ذوق اس طرح بڑھ گیا آپ کا بیشتر وقت مناظر قدرت کے مشاہدات و کائنات فطرت کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ دن رات نبوت سے پہلے آپ ﷺ سچے خواب دیکھنے لگے، خواب میں جو دیکھتے ہو بہو وہی ہو جاتا۔ ایک دن آپ غار حرا کے اندر عبادت میں مشغول تھے کہ جبرائیل امین اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کے سر پر تاج نبوت سجانے آگئے۔ آیات مبارکہ کے شان نزول کے بعد اللہ رب العزت نے مصطفیٰ ﷺ کو دعوت وتبلیغ حق کے منصب پر مامور فرمایا۔

غیر معمولی سیرت و کردار:

آپ کا شباب مجسم حیاء اور عصمت و وقار کا کامل نمونہ تھا۔اعلان نبوت سے پہلے حضور ﷺ کی تمام حیات مبارکہ بہترین اخلاق و عادات کا خزانہ تھی صداقت ودیانت کم گوئی، ایفائے عہد، خندہ پیشانی، خوش اخلاقی، چھوٹوں سے محبت، بڑوں سے شفقت، صلہ رحمی، غمخواری، غریب پروری، عفو و درگزر، مخلوق خدا کی خیرخواہی الغرض آپ ﷺ کی حیات طیبہ اخلاص حسنہ ومحاسنہ افعال کا مجسمہ اور تمام عیوب و نقائص سے پاک تھی۔بلا شعبہ نبی کریم ﷺ کا کردار انسانیت کا ایک ایسا محیرالعقول اور غیر معمولی کردار ہے جو نبی کے علاوہ کسی کا ممکن ہی نہیں۔

آپ ﷺ کا دستورِ تعلیم و معاملہ فہمی:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا ہر پہلو نرالا اور اُمت کے لیے مینارِ ہدایت ہے، چاہے بچپن کا دور ہو یا جوانی کا اُمت کے لیے اس میں ہدایت موجود ہے۔

آپ ﷺ کو بچپن سے اجتماعی کاموں میں اتنا لگاؤ اور دلچسپی تھی معاملہ فہمی اور معاشرے کے اختلافات کو ختم کرنے اور اس میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی وہ صلاحیتیں آپ ﷺ کی شخصیت میں موجود تھیں۔

جب بیت اللہ شریف کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ ﷺ نے بھی قریشِ مکہ کے دوش بدوش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے جب عمارت میں ہجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو قبائل میں سخت جھگڑا ہو گیا اس کشمکش میں چار دن گزر گئے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ تلواریں نیام سے نکل آئیں۔ آپ نے اس طرح اس جھگڑے کا تصفیہ فرمایا کہ آپ نے ایک چادر بچھا کر اس پر حجر اسود رکھا اور تمام سرداروں کو حکم دیا کہ سب اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر اٹھائیں سب سرداروں نے مل کر چادر کو اٹھایا اور جب ہجر اسود اپنے مقام پر پہنچ گیا تو حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔

کسب حلال کی اہمیت کے پیش نظر بچپن میں قریش کی بکریاں چرائیں جو تمام انبیاء کی سنت بھی ہے اپنی ضروریات پوری فرماتے اور جب اور بڑے ہوئے تو تجارت جیسا اہم پیشہ اختیار فرمایا اور التاجر الصدوق الامین (امانت دار سچے تاجر) کی صورت میں سامنے آئے۔

صداقت و امانت کے ایسے گرویدہ کہ بچپن سے آپ ﷺ الصادق الامین کے لقب سے یاد کیے جانے لگے اور دوست تو دوست دشمن بھی آپ ﷺ کے ان اوصاف کا اقرار کرتے تھے چنانچہ قبائلِ قریش نے ایک موقع پر بیک زبان کہا: ہم نے بارہا تجربہ کیا مگر آپ ﷺ کو ہمیشہ سچا پایا۔ یہ سب قدرت کی جانب سے ایک غیبی تربیت تھی کیونکہ آپ ﷺ کو آگے چل کر نبوت و رسالت کے عظیم مقام پر فائز کرنا تھا اور تمام عالم کے لیے مقتدیٰ بنانا تھا اور امت کے لیے آپ ﷺ کی زندگی کو بطورِ اُسوہ حسنہ پیش کرنا تھا۔

وحی الٰہی آپ ﷺ تک پہنچانے کے لیے جبریلِ امین علیہ السلام کا انتخاب ہوا جن کو ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام اور باری تعالیٰ کے درمیان واسطہ بننے کا شرف حاصل تھا اور جن کی شرافت، قوت، عظمت، بلند منزلت اور امانت کی خود اللہ

نے گواہی دی ہے۔

بے شک یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے جو بڑی قوت والا صاحبِ عرش کے نزدیک ذی مرتبہ ہے، وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ امانت دار ہے۔(التکویر19-21)۔

اس وحی الٰہی کی روشنی میں آپ ﷺ کی ایسی تربیت ہوئی کہ آپ ﷺ ہر اعتبار سے کامل بن گئے -اور آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو اُمت کے لیے ایک بہترین اُسوہ حسنہ بن کر سامنے آ گیا۔ امت کے ہر فرد کے لئے بالخصوص عامۃ الناس کے لیے بھی آپ ﷺ کی حیات و ذات مبارکہ ایک اعلیٰ مثال ہے، جسے وہ سامنے رکھ کر زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔

دعوت وتبلیغ حق کے تین ادوار:

پہلا دور: تین برس تک حضور ﷺ پوشیدہ طور پر اور راز داری کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا فرماتے رہے اس درمیان میں سب سے پہلے ابتدائی دعوت پر عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، مردوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اِیمان لائے، ان کے بعد بہت سے آزاد اور غلام اس دولت سے بہرہ مند ہوئے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والے جو ،،سابقین اولین ،، کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

دوسرا دور: تین سال کے بعد اس خفیہ دعوت سے مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر سورۃ شعراء کی آیت مبارکہ نازل فرمائی وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ 214) آپ ﷺ کو علانیہ دعوت وتبلیغ کا حکم ہوا چنانچہ آپ ﷺ نے کوہ صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر قبیلہ قریش کو پکارا جب سب قریش جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو تم پر عذاب الٰہی اترے گا۔ تمام قوم کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور بت پرستی چھوڑنے کی پوری قوت سے دعوت دی یہ سن کر تمام قریش جن میں آپ کے چچا ابولہب بھی موجود تھا سخت ناراض ہوئے شان رسالت کا انکار کیا۔

تیسرا دور: اب وقت آ گیا کہ اعلان نبوت کے چوتھے سال سورۃ حجر کی آیت ،، فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ 94) نازل فرمائی اور محبوب حق ﷺ کو یہ حکم فرمایا کہ اس دعوت حق کو علی الاعلان بیان فرمائیے جب آپ علانیہ طور پر دین مبین کی دعوت وتبلیغ حق بیان فرمانے لگے۔ شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا برائی فرمائی تمام قریش ،اہل مکہ تمام کفار مشرقین آپ کی مخالفت میں جمع ہو گئے اور ایذا رسانیوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہو گیا۔

رحمت اللعالمین پر ستم ظریفیاں:

کفار مکہ خاندان بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور ﷺ کو قتل کرنے کی ہمت تو نہ کر سکے مگر طرح طرح کی تکالیف اور ایذا رسانیوں سے آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے لگے۔ ہر کوچہ ء بازار میں پراپیگنڈا شروع کر دیا کفار مشرقین نے آپ پر اور اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں پر اتنے مظالم ڈھائے کہ جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے کفار ومشرقین کا اس بات پر مُصّر تھے کہ مسلمانوں کو اتنا تنگ کرو کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر شرک و کفر میں مبتلا ہو جائیں اس لئے قتل کرنے کے بجائے ہر طرح کے ظلم وستم سزاؤں اور ایزا رسانیوں اور جاں سوز عذابوں کے ساتھ ستاتے تھے مگر خدا کی قسم! محبوب خدا نے انہیں شراب توحید کے وہ جام پلا رکھے تھے کہ ان فرزندان توحید نے استقلال، استقامت کا وہ منظر پیش کر دیا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا کر حیرت سے ان بلا کشان اسلام کے جذبہ، قوت ایمانی کے ساتھ استقامت کا نظارہ کرتی رہیں بے رحم، سنگدل، درندہ صفت کافروں نے ان غریب ،بے کس مسلمانوں پر جبرو کراہ ظلم وستم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا مگر ایک بھی مسلمان کے

پائے استقلال میں تزلزل نہیں آیا۔

ان کے قدم پر ہیں نثار جن کے قدوم ناز نے
اجڑے ہوئے دیار کو رشک چمن بنادیا

شعب ابی طالب میں محاصرہ:

7 نبوی: اعلان نبوت کے ساتویں سال کفار مکہ نے جب دیکھا کہ اسلام روز بروز پھیلتا جارہا ہے تو غیض وغضب میں آپے سے باہر ہوگئے حضورﷺ کے خاندان کے ساتھ مکمل سوشل بائیکاٹ کردیا گیا اور قریش نے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے خلاف ایک معاہدہ پر دستخط کیے کہ جب تک یہ لوگ آنحضرتﷺ کو ہمارے حوالے نہیں کرتے اُس وقت تک ان سے ہر قسم کا مقاطعہ کیا جائے اس کے نتیجے میں آپﷺ اپنے خاندان اور چچا ابو طالب کے ساتھ شعب ابی طالب میں تین سال محصور رہے۔ تین سال کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن تھا کہ سنگدل اور ظالم کفار نے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا تھا کہ کہیں سے بھی گھاٹی کے اندر کھانے پینے کا سامان جانے نہ پائے۔ حضورﷺ اورخاندان بنو ہاشم ان ہوش ربا مصائب کو جھیلتے رہے معاہدہ کی دستاویز ات کو دیمک نے کھالیا حضرت ابو طالب نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ میرا بھتیجا کہتا ہے۔ معاہدہ کی دستاویزات کو دیمک کھا گئی ھے جہاں خدا کا نام لکھا ہوا تھا وہ حصہ بچ گیا ہے۔ یہ سن کر معطم بن عدی کعبہ کے اندر گیا اور دستاویز اتار لایا واقعی بجز اللہ کے نام کے ساری دستاویز کیڑوں نے کھالی تھی اس کے بعد یہ محاصرہ ختم ہوا منصور بن عکرمہ جس نے یہ دستاویز لکھی تھی اس پر قہر الٰہی ٹوٹ پڑا اس کا ہاتھ شل ہوکر ناکارہ ہوگیا۔

عام الحزن:

اسی سال آپﷺ کے چچا ابو طالب شعب ابی طالب سے نکل کر گھر جب آئے تو حضرت ابو طالب شدید علالت کے بعدانتقال کر گئے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد آپ بہت مغموم رہنے لگے اور آپﷺ کی غم گسار زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ ابھی ابو طالب کے انتقال کا زخم تازہ تھا مکہ میں ابو طالب کے بعد جس ہستی نے رحمت عالمﷺ کی نصرت اور حمایت میں تن من دھن سب کچھ لوٹا دیا وہ حضرت خدیجہ تھیں جس وقت دنیا میں آپ کا کوئی مخلص و غمخوار نہیں تھا یہ دونوں ہستیاں آپ کے ساتھ جانثار اور مدد گار رہے۔اب دونوں اس دنیا میں نہ رہے آپ قلب مبارک پر اتنا صدمہ گزرا کہ آپﷺ نے اس سال کا نام عام الحزن رکھ دیا۔ قریش کی ایذا رسانی اور بڑھ گئی۔ آپﷺ اہل طائف کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے ایک نہ سنی بلکہ اُلٹا درپے ایذاء ہوئے اس لئے یہ سال عام الحزن (غم کا سال) کہلاتا ہے۔

11 نبوت، اسی سال آپﷺ کو معراج ہوئی۔ پنج گانہ نماز فرض ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر عرب کے مختلف قبائل کو دعوت دی چنانچہ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے 6 آدمی مسلمان ہوئے۔

12 نبوت، اس سال اوس و خزرج کے 12افراد نے آپﷺ سے بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔

13 نبوت، اس سال مدینہ کے 70 مردوں اور 20 عورتوں نے آپﷺ سے بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔

ہجرتِ مدینہ:

مدینہ میں اسلام کی روشنی گھر گھر پھیل چکی تھی۔ آپﷺ نے صحابہؓ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم فرمایا۔ قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے دار الندوۃ میں آپﷺ کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اور آپﷺ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ منصوبہ خاک میں ملادیا۔ آپﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپﷺ کافروں کے گھیرے سے بااطمینان نکلے اورحضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، ان کو ساتھ لے کر غارِ ثور تشریف لے گئے، یہاں 3 دن رہے، پھر ہجرت فرمائی اور مدینہ کی نواحی بستی قُبا پہنچے۔

اِسلام کا نیا دور:

یہاں سے اِسلام کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ قبا میں 14 دن قیام رہا وہاں ایک مسجد بنائی، وہاں سے مدینہ طیبہ منتقل ہوئے۔ حضرت ابو ایوب اَنصارِی رَضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ مسجد نبویﷺ کی تعمیر فرمائی، اذان شروع ہوئی اور جہاد کا حکم ہوا حضورﷺ اور آپ کے اصحاب اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ آگئے تھے اس پر بھی کفار مکہ راضی نہ ہوئے۔ مدینہ میں بھی سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ اہل مدینہ کے بھی جان کے دشمن ہو گئے اب تک حضورﷺ کو اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ لوگو ں کو اسلام کی دعوت دیجئے اور کفار و مشرقین کی ایذاؤں پر صبر وتحمل، برداشت کا حکم تھا اسی لئے مسلمانوں پر کفار نے بڑے بڑے پہاڑ توڑ دیئے مگر مسلمانوں نے کبھی اپنے دفاع میں ہتھیار نہیں اٹھایا لیکن ہجرت کے بعد جب کفار ومشرقین مسلمانوں کے جانی دشمن ہو گئے اور ان کا جینا دوبھر کردیا اب رب ذولجلا ل نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ جو لوگ تم سے جنگ کی ابتداء کریں تم بھی ان سے لڑ سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان (یعنی نظام عالم) کو جس حالت پر پیدا کیا تھا زمانہ اپنے حالات و واقعات کا دائرہ مکمل کرنے کے بعد پھر اس مقام پر دوبارہ آ گیا ہے

گویا زبان نبوت اس امر کا اعلان فرما رہی تھی کہ نظام عالم کے ایک دور کا خاتمہ ہو چکا ہے اور آج سے دوسرے دور کا آغاز ہو رہا ہے اور دنیائے انسانیت کو نظام عالم کے نئے دور کے آغاز پر خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے بالخصوص اور اپنی تعلیمات وہدایات کے ذریعے بالعموم نیا عالمی نظام عطا کر رہا ہوں۔

ضروری تھا کہ اس موقع پر آپ پچھلے نظام اور اس کے جاہلانہ امور کو منسوخ کرنے کا اعلان بھی فرماتے سو ارشاد فرمایا۔

خبردار؛ جاہلیت کا سارا (ظالمانہ اور استحصالی) نظام میں نے اپنے پاؤں سے روند ڈالا ہے اور آج سے نظام جاہلیت کے سارے خون (قصاص، دیت اور انتقام) کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں اور آج سے نظام جاہلیت کے سارے سودی لین دین بھی ختم کیے جاتے ہیں۔

ان دو اعلانات کے بعد اس امر میں کسی شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ خطبہ حجۃ الوداع فی الحقیقت. ایک نئے نظام کا اعلان تھا۔

حضور کے فرامین سے یہ امر واضح ہے کہ اسلام دین امن، محبت اور رحمت ہے۔ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

آپﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون؛ تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں حرام کر دی ہیں اور ان چیزوں کو ایسی عزت بخشی ہے جو عزت تمہارے اس شہر میں اس مہینہ اس دن کو حاصل ہے۔

کیا میں نے پیغام حق پہنچا نہیں دیا؟ سبھی نے بیک زبان جواباً عرض کیا جی ہاں ضرور۔

اس واضحیت کے بعد آپﷺ نے سب حاضرین کو تلقین فرمائی۔ سنو جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں اس وقت موجود نہیں ہیں ہوسکتا ہے کہ کوئی جو یہاں موجود نہیں تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

حضورﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری اور نمایاں موقع پر عالم انسانیت کو پیغام امن دیا اور اس امر کی پابندی پر زور دیا کہ اپنے عمل و کردار سے قیام امن کو ہر سطح پر ممکن بنائیں۔ معاشرے کو پرامن بنانے کے لیے فروغ و ابلاغ کا مجسم بن جائیں یہ ایک حقیقت ہے۔ آج کرہ ارضی کو امن وامان کا مرکز بنانے کے لئے مصطفیٰﷺ کے عطا کردہ منشور سے زیادہ مؤثر اور جامع ضابطہ کہیں اور دستیاب نہیں۔

☆☆☆☆☆

علم اور معلم کی فضیلت

معلم و تلمیذ کا رشتہ روحانی تعلق پر مبنی ہوتا ہے

اچھا استاد وہ ہے جو شاگرد کے بنجر ذہن کو کھلیان بنادے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کی روشنائی شہید کے خون سے مقدس تر ہے

ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ

معلم چار حرفی لفظ اپنے اندر انتہائی خوبصورت مفاہیم سمیٹے ہوئے ہے۔ مثلاً م: محبت و مہربانی، ع: علم و عمل، ل: لگاؤ اور م: مددو معاون۔ گویا محبت و مہربانی سے علم و عمل کے لگاؤ میں ممدو معاون استاد کے حروف سے یہ اخذ کرسکتے ہیں: ”اللہ اور انسان کو سمجھنے میں تعاون دلائے“، ”اللہ اور انسان سے تعلق استوار کرادے“۔ قرآن و حدیث میں بھی معلّمی کی فضیلت دیگر شعبوں سے بڑھ کر ہے بلکہ معلّمی کو شیوہ پیغمبری قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے“، ”علماء انبیاء کے وارث ہیں“۔

صاحب نہج البلاغہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے ایک لفظ سکھائے تو میں اس کا غلام ہوں۔ استاد و شاگرد یا معلم و تلمیذ کا رشتہ روحانی تعلق پر مبنی ہوتا ہے۔ والدین ہمیں عدم سے ہستی میں لاتے ہیں اور اساتذہ زمین سے آسمانوں تک کا سفر سکھاتے ہیں۔ اچھے استاد وہ ہیں جو

لہٰذا معاشرے کی بقاء و ترقی کے لیے اچھے اساتذہ ناگزیر ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ اس آدمی کی کوئی قیمت نہیں جو نہ معلم ہے اور نہ متعلم۔ علم کو مومن کی گمشدہ میراث قرار دیا گیا ہے اور یہ میراث فقط درس گاہوں ہی سے ممکن نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ حضور ﷺ اُمّی تھے اور معلمِ انسانیت بن کر آئے

شاگردوں کے بنجر ذہن کو کھلیان بنادیں جو گمان کو یقین میں بدل دیں، جو پتھر کو تراش کر ہیرا بنادیں۔ استاد وہ ہے جس کی چشم بصیرت دل و نگاہ کو بصیرت سے مامور کردے، استاد وہ ہے جو سوچوں کی شب تاریک کو روز روشن کی طرح عیاں کردے۔ استاد وہ ہستی ہے جس کے لہجے میں مٹھاس اور نگاہوں میں شفقت ہو، رویے میں پیار برستا ہو، جو اپنے ہاتھوں میں جگنو لیے شمس و قمر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ سکے۔

یہ مہر و تاباں سے جاکر کہہ دو، کہ اپنی کرنوں کو گن کے رکھیں
میں اپنے صحرا کے ذرے ذرے کو خود چمکنا سکھا رہا ہوں

5 اکتوبر کو پوری دنیا میں ٹیچرز ڈے بڑے ذوق و شوق سے منایا جاتا ہے اور سال میں ایک دن اپنے اساتذہ سے محبت و احترام کا ڈھونگ رچا کر حقِ شاگردی ادا کردیا جاتا ہے۔ کیا اساتذہ صرف اتنی ہی تعظیم کے مستحق ہیں؟ آج ہمارے استاد اور شاگردوں کے درمیان دوریاں کیوں ہیں؟ ہمارے پاس ٹیچرز تو بہت ہیں مگر حقیقی معنوں میں استاد بہت کم ہیں۔ آج علم کو دولت کے پیمانے پر تولا جاتا ہے اور فقط درسی کتابوں کے اسباق رٹا لگوائے جاتے ہیں اور طلباء بھی فقط حصول ملازمت کی غرض سے اس دوڑ میں شریک ہیں۔

آج اساتذہ بھی طلباء کے لیے معلمانہ و پدرانہ شفقت سے عاری ہیں۔ کمرہ جماعت کے علاوہ طلباء کی مدد کرنے سے کتراتے ہیں۔ تعلم و تعلیم کو فقط حصول زر کا ذریعہ

تعلم و تعلیم میں بہترین نتائج انہی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لیے علم کی روشنی کو لازمی قرار دینے کے لیے پہلی وحی اقراء سے شروع کی اور رب نے خود انسان کو علم سکھایا اور نبی اکرم ﷺ کو معلم اعظم بنا کر بھیجا اور نبوت کا منصب منصبِ معلّمی بنایا ہے۔

بنادیا ہے۔ اساتذہ تنخواہوں کے لیے اور طلباء ملازمت کے لیے درس گاہوں کا رخ کرتے ہیں۔ تعلیمی اداروں کے متعین کردہ نصاب کے صرف انہی موضوعات پر توجہ دی جاتی ہے جو امتحانی نقطہ نظر سے اہم ہوتے ہیں ایسے میں دیئے گئے علم پر عمل کو ترجیح تو دور کی بات کورس بھی مکمل نہیں کروایا جاتا۔

ہماری موجودہ نسل میں استاد بننے کے خواہاں آٹے میں نمک کے برابر ہیں کیونکہ عام تصور ہے کہ استاد صرف وہی بنتے ہیں جو کسی اور شعبے میں نہ جاسکیں۔ جس معاشرے میں کوئی اپنی خواہش سے استاد نہ بننا چاہے وہاں بظاہر پڑھے لکھے (ڈگریاں خرید کر گریجویٹ بننے والے) حقیقتاً جاہل مطالبات کے لیے کئی کئی روز سڑکوں پر بھوک ہڑتال کرنی پڑتی ہے جس معاشرے کے استاد کو سڑکوں پر ڈنڈے مارے جائیں اس کی اخلاقی و روحانی اقدار کا جنازہ تو نکلتا ہی ہے اس کی سیاسی و سماجی، معاشی و معاشرتی اور مذہبی اقدار بھی تنزلی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ چار سو درندوں اور بھیڑیوں کا راج اور جنگل کا قانون دکھائی دیتا ہے۔ انصاف کی دھجیاں اڑتی ہیں تو سماوی آفات عوام کا مقدر بن جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عالم کی روشنائی شہید کے خون سے مقدس تر ہے''۔

ساٹھ کی دہائی میں ایوب خان ملکہ برطانیہ اور ان کے شوہر کو پاکستان کے دورے کے دوران برن ہال سکول ایبٹ آباد لے گئے۔ ملکہ تو ایوب خان کے ساتھ بچوں سے ہاتھ ملاتی آگے بڑھ گئیں ان کے شوہر بچوں سے باتیں کرنے لگے، پوچھا کہ بڑے ہو کر کیا بننا ہے؟ بچوں نے کہا ڈاکٹر، انجینئر، آرمی آفیسر اور پائیلٹ وغیرہ وغیرہ، وہ کچھ خاموش ہو گئے۔ لنچ پر ایوب خاں سے کہا کہ آپ کو اپنے ملک کا کچھ سوچنا چاہیے میں نے بیس بچوں سے بات کی کسی نے یہ نہیں کہا کہ اسے ٹیچر بننا ہے اور یہ بہت خطرناک بات ہے۔ ایوب خان صرف مسکرادیئے کچھ جواب نہ دے سکے چاہیے تو یہ تھا کہ تبھی اساتذہ کے لیے بھی ڈاکٹرز، انجینئرز اور آرمی آفیسرز جیسی عزت و دولت کے قوانین بنائے جاتے تاکہ آج مزید ساٹھ سال گذرنے پر اساتذہ کو سرِ بازار رسوا نہ ہونا پڑتا، شاگردوں کے ہاتھوں پٹنے سے محفوظ ہوتے اور پاکستان صحیح معنوں میں اسلامی رفاعی مملکت ہوتا نہ کہ دہشت گردوں کا ملک۔

کتب تواریخ گواہ ہیں کہ جب ہندوستان کی انگریز حکومت نے حضرت علامہ اقبالؒ کو سر کا خطاب دینے کا ارادہ کیا تو اقبالؒ کو وقت کے گورنر نے اپنے دفتر آنے کی دعوت دی۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے یہ خطاب لینے سے انکار کردیا۔ جس پر گورنر بے حد حیران ہوا۔ وجہ دریافت کی تو حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمایا: میں صرف ایک صورت میں یہ خطاب وصول کرسکتا ہوں کہ پہلے میرے استاد مولوی میر حسن کو شمس العلماء کا خطاب

معاشرے کی بقاء و ترقی کے لیے اچھے اساتذہ ناگزیر ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ اس آدمی کی کوئی قیمت نہیں جو نہ معلم ہے اور نہ متعلم۔ علم کو مومن کی گمشدہ میراث قرار دیا گیا ہے اور یہ میراث فقط درس گاہوں ہی سے ممکن نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ حضور ﷺ اُمّی تھے اور معلمِ انسانیت بن کر آئے

دیا جائے۔ یہ سن کر انگریز گورنر نے کہا: ڈاکٹر صاحب! آپ کو تو سر کا خطاب اس لیے دیا جارہا ہے کہ آپ بہت بڑے شاعر ہیں آپ نے کتابیں تخلیق کی ہیں۔ بڑے بڑے مقالات تخلیق کیے ہیں۔ آپ کے استاد مولوی میر حسن صاحب نے کیا تخلیق کیا ہے؟ یہ سن کر علامہ اقبالؒ نے جواب دیا:

''مولوی میر حسن نے اقبال تخلیق کیا ہے''۔

اس پر انگریز گورنر نے حضرت علامہ اقبالؒ کی بات مان لی اور ان کے استاد مولوی میر حسن کو شمس العلماء کا خطاب دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس پر مستزاد حضرت علامہ اقبالؒ نے مزید کہا کہ میرے استاد کو شمس العلماء کا خطاب دینے کے لیے یہاں نہ بلایا جائے بلکہ ان کو یہ خطاب دینے کے لیے سرکاری تقریب کو سیالکوٹ میں منعقد کیا جائے یعنی میرے استاد کے گھر۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ مولوی میر حسن کو آج شاید کوئی بھی نہ جانتا اگر وہ علامہ اقبالؒ کے استاد نہ ہوتے۔ آج وہ شمس العلماء مولوی میر حسن کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ تھا استاد کا مقام اور عظمت جس کا مقابلہ نہیں۔ حضرت امام غزالیؒ اساتذہ یا معلمین کو درج ذیل آداب کا خیال رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں:

☆ معلم شاگردوں کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے انہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھے۔

☆ استاد کے قول وفعل میں مطابقت ہو۔

☆ شاگردوں سے ان کے معیار اور ذہنی سطح کے مطابق بات چیت کرے۔

☆ تعلیم کا صلہ طلب نہ کرے، نہ ہی خوشامد اور تعریف کی خواہش کرے۔

☆ جہاں تک ممکن ہو طلبہ کو نصیحت کرتا رہے۔

☆ حکیمانہ انداز سے نصیحت کرے۔ سختی سے طلباء کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور معلم کا وقار نہیں رہتا۔

☆ انتہائی اشد ضرورت میں بدنی سزا دی جائے مگر وہ بھی تین چھڑیوں سے زیادہ نہ ہو۔

تعلم و تعلیم میں بہترین نتائج انہی اصولوں پر عمل پیرا ہوکر حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لیے علم کی روشنی کو لازمی قرار دینے کے لیے پہلی وحی اقراء سے شروع کی اور رب نے خود انسان کو علم سکھایا اور نبی اکرم ﷺ کو معلم اعظم بنا کر بھیجا اور نبوت کا منصب منصبِ معلّمی بنایا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے ایک لفظ سکھائے تو میں اس کا غلام ہوں۔ استاد و شاگرد یا معلم و تلمیذ کا رشتہ روحانی تعلق پر مبنی ہوتا ہے۔ والدین ہمیں عدم سے ہستی میں لاتے ہیں اور اساتذہ زمین سے آسمانوں تک کا سفر سکھاتے ہیں۔ اچھے استاد وہ ہیں جو شاگردوں کے بنجر ذہن کو کھلیان بنادیں جو گمان کو یقین میں بدل دیں، جو پتھر کو تراش کر ہیرا بنادیں۔ استاد وہ ہے جس کی چشم بصیرت دل و نگاہ کو بصیرت سے مامور کردے

لہٰذا معاشرے کی بقاء و ترقی کے لیے اچھے اساتذہ ناگزیر ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ اس آدمی کی کوئی قیمت نہیں جو نہ معلم ہے اور نہ متعلم۔ علم کو مومن کی گمشدہ میراث قرار دیا گیا ہے اور یہ میراث فقط درس گاہوں ہی سے ممکن نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ حضور ﷺ امّی تھے اور معلمِ انسانیت بن کر آئے۔

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

معلّمی کے لیے اگر ڈگریوں اور کتابوں کی ہی اہمیت ہوتی تو حضرت شمس تبریزؒ حضرت مولانا رومؒ کی کتابیں کنویں میں نہ پھینکتے اور مولانا رومؒ یہ فرماتے:

مولوی ہر گز نہ شُد مولانائے روم
تا غلام شمس تبریز نہ شُد

آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ سے لے کر خلفائے راشدین، امہات المومنین، تابعین اور تبع تابعین میں متعدد ہستیاں ایسی گذری ہیں جو تلمیذ الرحمٰن تھیں اور ان کی زندگیاں بنی نوعِ انسان کے لیے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت رابعہ بصریؒ کا لازوال کردار

انبیائے، اولیاء اور صدیقین نے عورت کی گود میں پرورش پائی

آپ حافظہ قرآن اور علم سے محبت رکھنے والی شخصیت تھیں

"بھوک پر صبر کرو تاکہ آخرت میں آگ پر صبر نہ کرنا پڑے"

سعدیہ کریم

حضرت محمد ﷺ کی شریعت مقدسہ پر جن محترم لوگوں نے احسن طریقے سے عمل کیا جنہوں نے اپنی زندگیاں سنت نبوی ﷺ کی متابعت میں گزار دیں انہیں اولیائے کرام کہا جاتا ہے۔ انہی مقدس و محترم اور برگزیدہ ہستیوں میں نہایت ہی معتبر نام حضرت سیدہ رابعہ بصریؒ کا ہے آپ نے ہمیشہ نماز اور روزے کی اہمیت پر زور دیا اور پاکیزگی اور طہارت کا درس دیا ان کا شمار بلند پایہ اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ اسلامی تصوف میں پہلی خاتون ہیں جنہیں شہرت دوام حاصل ہوئی۔

ولادت باسعادت: 95 ہجری کی ایک بابرکت رات میں بصرہ کے ایک نیک سیرت انسان اسماعیلؒ کے گھر بیٹی کی ولادت ہوئی۔ گھر میں تین بیٹیاں پہلے سے تھیں نومولد کا نام رابعہ رکھا گیا۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا شمار اسلام کی ان پاک خواتین میں ہوتا ہے جن کی زندگی ابتداء سے انتہا تک فقر و غنا سے عبارت ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کی نوید تھا۔ آپ کے والد محترم زمانے کی سختیاں سہتے، فاقے کرتے اور نت نئے مصائب و آلام برداشت کرتے مگر زبان سے کبھی شکایت نہ کرتے اور نہ کسی سے دستِ سوال دراز کرتے۔ ایسے باپ کی بیٹی فطرتاً، عابدہ و زاہدہ تھیں۔

تعلیم و تربیت: حضرت رابعہ بصریؒ کو بچپن سے ہی قرآن پاک اور بزرگان دین کے اقوال سے لگاؤ تھا وہ انتہائی ذہین و فطین، شائستہ اور مہذب خاتون تھیں۔ بچپن سے ہی حلال و حرام کی تمیز تھی۔ ایک دن سب گھر والے کھانے کے لیے جمع ہوئے مگر وہ کھانے سے دور رہیں والد نے پوچھا رابعہ تو کیوں کھانا نہیں کھاتی؟ انہوں نے نہایت غمگین لہجے میں جواب دیا کہ میں سوچ رہی ہوں کہ یہ کھانا حلال بھی ہے کہ نہیں۔ والد نے کہا کہ بیٹی یہ کیسی بات ہے۔ ہم کیوں حرام کھائیں گے تو انہوں نے فرمایا کہ اس دنیا میں ہمیں بھوک پر صبر کرنا چاہئے تاکہ آخرت میں آگ پر صبر نہ کرنا پڑے۔

حضرت رابعہ بصریؒ کی عمر مبارک ابھی تقریباً پانچ برس تھی کہ والدین دنیا سے رحلت فرما گئے۔ ان دنوں بصرہ میں ایسا شدید قحط پڑا کہ بھوک سے لوگ ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ ہجرت کے دوران حضرت رابعہؒ اپنی بہنوں سے بچھڑ گئیں۔ ایک ظالم شخص نے انہیں پکڑ کر ایک دولت مند کو فروخت کردیا۔ وہ ان سے تمام کام کراتا تھا۔ وہ دن کو روزہ رکھتیں اور گھر کے تمام کام کاج کرتیں۔ رات کو عبادت الٰہی میں بسر کرتی تھیں۔ ایک دن رات کو عبادت میں مشغول تھیں تو ان کے مالک نے دیکھ لیا وہ یہ سارا منظر دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ صبح اٹھ کر اس نے حضرت رابعہؒ بصری سے معافی مانگی اور انہیں آزاد کردیا۔

آپ نے علوم ظاہری حاصل کرنے کے لیے کوفہ کا رخت سفر باندھا جو اپنے وقت میں بہت بڑا علمی مرکز تھا۔ وہاں سے پہلے انہوں نے قرآن حکیم حفظ کیا۔ اس کے بعد فقہ

اور حدیث کی تعلیم حاصل کی اور اتنی مہارت حاصل کی کہ آپ کا وعظ سن کر بڑے بڑے محدث اور فقیہ حیران رہ جاتے۔ ان کی بارگاہِ معرفت میں بڑے بڑے علماء اور صوفیاء حاضر ہوتے تھے۔ ان میں سرفہرست امام سفیان ثوریؒ ہیں جنہیں امیرالمومنین فی الحدیث کہا جاتا تھا اس کے علاوہ حضرت مالک بن دینارؒ بھی حضرت رابعہ بصریؒ سے نہایت عقیدت رکھتے تھے۔

دیگر اہل معرفت اور صاحبان تصوف کی طرح حضرت رابعہ بصریؒ بھی خدا کے وصل کی متمنی تھیں۔ حضرت رابعہ بصری تصوف میں وہ ہستی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے حُبِ الٰہی کو مستقل اور محکم مسلک کی صورت میں پیش کیا۔ طبقات الکبریٰ میں درج ہے کہ ''حضرت رابعہ بصریؒ ہر وقت مغموم اور ملول رہا کرتی تھیں۔ انہیں دنیا سے محبت نہیں تھی۔ جب وہ عذاب، دوزخ کا ذکر سنتی تھیں تو دیر تک اس کی دہشت سے بے ہوش رہتی تھیں۔ ہوش میں آتی تو توبہ میں مشغول ہوجاتیں ان کی سجدہ گاہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھیں''۔

حضرت رابعہؒ بہت کم گفتگو کرتی تھیں اگر کوئی سوال پوچھ لیتا تو مختصر اور مدلل جواب دیتی تھیں۔ ہر بات میں قرآنی آیات کا حوالہ دیتی اور اکثر آیات قرآنی ہی بیان کردیتی جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ''انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اسے لکھتے ہیں اسی لیے قرآن کی آیتوں کے سوا کچھ نہیں بولتی کہ کہیں میرے منہ سے بری بات نہ نکل جائے جسے فرشتے لکھ لیں۔

حضرت امام غزالیؒ احیائے علوم الدین میں فرماتے ہیں:

''حضرت رابعہؒ نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس بحث کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا احسان اور انعام ہے جو وہ اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے اور جس حبِ الٰہی کا ذکر کیا ہے اس سے مراد دیدار الٰہی اور جمال خداوندی ہے اور یہی محبت سب سے بہتر اور برتر ہے''۔

امام غزالیؒ نے حضرت رابعہؒ کے ایک اور فقرے کی عمدہ تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت رابعہؒ سے سوال کیا گیا کہ جنت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو انہوں نے جواب دیا ''پہلے ہمسایہ اور پھر مکان''۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ رابعہ بصریؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں خدا کو نہیں پہچانا وہ اگلے جہاں میں بھی اس کے دیدار سے محروم رہے گا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اپنے علم، ریاضت اور زہد و عبادت سے ایسا مقام حاصل کیا کہ ان کے عہد کے بڑے بڑے عالم و صوفیاء ان کے پاس بیٹھنا اور ان کی گفتگو سننا اپنے لیے ایک شرف سمجھتے تھے۔ ان کی مجلس میں مودب رہتے اور اپنے مسائل کا حل ان سے کرواتے۔ حضرت رابعہؒ کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ مردوں کے معاشرے میں جہاں منبرو محراب تک مرد ہی فائق ہوتے وہاں ایک زاہدہ و صالح عورت کے اقوال و افکار اور عبادت کی انتہا ہلچل مچادے تو سب کے لیے حیرت کا مقام ہوتا ہے۔

حضرت فریدالدین عطارؒ نے بھی حضرت رابعہؒ کا تذکرہ بہت احسن انداز میں فرمایا ہے وہ کہتے ہیں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غزالان صحرا دوڑ دوڑ کر رابعہ کی طرف آتے جبکہ وہ ہر انسان سے بدک کر بھاگ اٹھتے ہیں۔

ایک دفعہ لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ آپ نکاح کیوں نہیں کرتیں تو فرمایا کہ مجھے تین باتوں کا اندیشہ ہے اگر ان سے مجھے نجات مل جائے تو میں نکاح کروں۔ اول یہ کہ مرتے وقت ایمان سلامت لے جاؤں گی یا نہیں؟ لوگوں نے کہا معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دوسرا یہ کہ میرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں اور تیسرا یہ کہ قیامت کے دن ایک گروہ کو بہشت میں دائیں طرف سے لے جایا جائے گا اور دوسرے کو بائیں طرف سے تو میں کس جانب سے جاؤں گی۔ لوگوں نے جواب دیا ہمیں علم نہیں تو حضرت رابعہؒ فرماتی ہیں کہ جسے اس قدر غم ہوں وہ عورت شوہر کی خواہش کیسے کرسکتی ہے؟ ان کا دل ہر وقت خوف الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ وہ اپنے خوف جہنم اور طمع جنت سے بے نیاز ہوکر خدا کو یاد کرتی رہتی تھیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا کو یاد کیا جائے کیونکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کی محبت غیر مشروط ہونی چاہئے یہ محدود لامحدود ہو۔ اس محبت کا مقصد باری تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو اس کے دیدار کا حصول ہو۔ آپ ہمیشہ روتی رہتی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ سے ہی محبت کی ہے۔ ڈرتی ہوں

کہ مرتے وقت آواز نہ آئے کہ رابعہ تو ہمارے لائق نہیں وہ ہمیشہ کھردرے کمبل کا کرتہ پہنتی تھیں اور وصیت فرماتی تھی کہ مرنے کے بعد اسی میں دفن کیا جائے۔ ان کے انتقال کے بعد ایک معتقد خاتون نے انہیںؒ خواب میں دیکھا کہ بہت ہی قیمتی ریشم کا کرتہ پہنے ہوئے ہیں۔ خاتون نے سوال کیا کہ کمبل کا کرتہ کہاں گیا تو جواب میں کہا کہ ''رحمٰن نے اس کرتے کے بدلے میں یہ کرتہ عطا فرمایا ہے''۔

اس عورت نے کہا کہ قرب الٰہی کے حصول کا کوئی طریقہ بتائیں تو جواب دیا کہ ''قرب الٰہی کے لیے یاد الٰہی سے بہتر کوئی چیز نہیں''۔ اکثر وہ اشعار پڑھا کرتی تھیں جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

اے میرے آقا، مقرب بندے خلوتوں میں تیرا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ تیری عظمت کے گیت سمندر میں مچھلیاں گاتی ہیں اور تیرے مقدس جلال کی وجہ سے موجیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ دن کی روشنی رات کی تاریکی، گھومنے والے آسمان، منور چاند چمکیلے تارے سب تیرے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور ہر چیز ایک اندازے کے مطابق ہے کیونکہ تو غنی اور قہار ہے۔

وہ اپنی دعائیں اپنے اشعار کے ذریعے بیان کرتی تھیں اس دعا کو اکثر راتوں کو چھت پر جا کر پڑھا کرتی تھیں۔

اے میرے مالک، ستارے چمک رہے ہیں اور سب لوگوں کی آنکھیں نیند سے بند ہیں اور ہر کوئی اپنی خلوت میں ہے اور میں یہاں تیرے ساتھ اکیلی ہوں۔ اے مالک اگر میں دوزخ کے عذاب کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو تو مجھے دوزخ میں جھونک دے اور اگر میں جنت کی توقع میں تیری عبادت کرتی ہوں تو تو مجھے جنت سے محروم کردے لیکن اگر میں محض تیری خاطر عبادت کرتی ہوں تو مجھ سے اپنے حسن لازوال کو پوشیدہ نہ رکھنا۔

وہ فرماتی تھیں کہ ''کوئی انسان کس طرح توبہ کرسکتا ہے جب تک اس کا مالک اس کو اس کی توفیق عطا نہ کرے اور اسے قبولیت نہ بخشے اگر وہ تمہاری طرف رخ کرے گا تو تم بھی اس کی طرف رخ کرو گے''۔

فرماتی تھیں کہ ''اللہ تعالیٰ سے قناعت پسند دل مانگو یہ بہت بڑی نعمت ہے''۔

دل کو قابو میں رکھنا اور اختیار ہونے پر ناجائز خواہشوں کو روکنا مردانگی ہے۔

انتقال: ایک مدت تک لوگوں کو راہ حق کی روشن شاہراہ پر گامزن کرنے اور حق وصداقت کی راہ پر چلتے رہنے کی تلقین کرنے والی یہ عظیم شخصیت حالت نزع میں تھیں اور بستر علالت پر آرام فرما تھیں۔ بصرہ کے نیک دل لوگ عیادت کی غرض سے حاضر خدمت تھے۔ اچانک حاضرین سے مخاطب ہوئیں کہ یہاں سے ہٹ جائیں۔ ملائکہ کے لیے جگہ چھوڑ دیں۔ سب لوگ باہر چلے گئے کچھ دیر تک گفتگو کی آواز آتی رہی جب آوازیں آنا بند ہوگئیں تو لوگ اندر داخل ہوئے اور دیکھا کہ حضرت رابعہؒ اس دنیا سے رخصت فرما چکی تھیں۔

اللہ کی عبادت گزار بندی فرشتہ، مجاہدہ صفت، عابدہ، صالحہ، فخر النساء فی الصالحین نے 185 ہجری میں بصری میں وصال فرمایا اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔ محبتوں کا یہ آبشار اس دنیا میں طویل عرصہ گزارنے کے بعد اس طرح اس دنیا سے رخصت ہوا جیسے بادنسیم کا کوئی جھونکا تیزی سے گزر جائے۔

آپ کی سیرت اور آپ کا کردار غرض کہ آپ کی پوری زندگی خواتین کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ کی عبادت، ریاضت، زہد و ورع، اللہ سے محبت یہ پیغام دیتی ہے کہ انسان خواہ مرد ہو یا عورت اسے ہر حال میں خدا کی بندگی اور محبت کا حق ادا کرنا ہے۔ اسے دوزخ و جنت سے بے نیاز ہوکر معبود حقیقی کی عبادت کرنی ہے۔ اسے صبر و رضا کا پیکر بننا ہے۔ اسے اپنی زندگی کے شب و روز خدا کے نور سے منور کرنا ہے تاکہ جب اس کا سفر آخرت ہو تو ہر راستہ اور منزل منور ہو۔ عورتوں کی فضیلت کے مباحثے میں فرماتی تھیں کہ اگر ان میں کوئی نبی نہیں تو کسی عورت نے خدائی دعویٰ بھی نہیں کیا مگر تمام انبیاء اولیاء، صدیق عورت کی گود میں ہی پرورش پاتے اور بڑے ہوئے ہیں اور معرفت کی اصل خدا کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

☆☆☆☆☆

Students are the hope
Students are th future

26th Foundation day of MSM

Hajira Javed

Students are the nation's most valuable asset. The future of the nation depends on them and they can raise the head of their nation in the world with their tireless work. These are the people who run the race of any nation. The construction and development of the country is in their hands. This is the hardest working and tireless section of any society. But if these same students follow the path of laziness and sloth, then the fate of this nation is doomed.

If we look at history, young people have always been at the forefront of revolutionary activities. The greater revolution in history that changed the thinking of the world was the Islamic Revolution of the Holy Prophet (PBUH). The majority in every first batch of this revolution were a young mans like Hazrat Ali.

The students played a very important role in the formation of Pakistan. They would go door to door to convey the message of Pakistan, collect donations for Pakistan and prepare the people for sacrifice. Quaid-e-Azam called the students the capital of the country and the nation. And advised them to believe in unity and organization

No power in the world can stop the development of a nation whose youth are responsible and hardworking, and it is enough for the destruction of a nation that the youth of that nation should be carefree and lazy. Sheikh Abdul Aziz bin Baz writes, "The youth of any nation are like the backbone, those who work to breathe new life and the spirit of revolution into their nation are armed with fruitful energy, freshness and God-given abilities. That is why the awakening of most nations and the credit for their revolution goes to the youth

History has shown that the youth have played an important role in every revolution. Young people have a passion for work and a desire to make a revolution. They have strong determination and high morale. There is warm

blood in their veins. They are as courageous as the mountains

Their abilities and mental faculties give them the mind and courage to turn the tide, to face difficulties and constant struggle, as well as to sacrifice time, life and property, and to motivate them from time to time.

History shows that there were only a few young people who responded to the call of Moses against a tyrant like Pharaoh. These young people raised the knowledge of the truth without caring about the suffering.

By 2021, the number of young people aged 15 to 24 in Pakistan is expected to increase by 20%, while by 2030, the number of young people under the age of 24 in Pakistan will be the highest.

In a country that has such a large number of young people, it is certainly very damaging and surprising that the country is declining instead of developing. This is because the youth have always been misused in our country.

Shaykh-ul-Islam Dr Muhammad Tahir-ul-Qadri has urged the young generation to play their role in change and revolution.

Only young people can embarrass the dream of reform and revolution

It has been a special honor of Minhaj-ul-Quran International (MQI) that this movement and its leader made his student organization the guardian and heir of his vision and thought. Founder and Patron of Minhaj-ul-Quran International Shaykh-ul-Islam Dr Muhammad Tahir-ul-Qadri says.

"Students are a valuable asset in every society, and students are the lifeblood of the movement."

"In this great movement, the students in general and the Mustafavi Students Movement in particular are the nucleus of our movement."

"The Mustafavi Students Movement is one of the first groups on the path to revolution ,are the capital of our movement. They are our credit, our proud assets"

It is obvious that if you want to assess the basic objectives of any movement, first of all see which path the founder and patron of this party and movement urges its students and the younger generation.

And fortunately, there is no other student organization in the world , who has such an ideological founder and leadership like Mustafavi Students Movement. It is their advice and their role that today's young generation is aware of their role.

Mustafavi Students Movement: Amalgam of Tradition and Innovation

Studying of student organizations all over the world in general and in Pakistan in particular seems to be moving at one point or another. Their tendency is just religion apart from all other realities. Their work is a one-point agenda.

Whether it is the world or religion, everything else is taken out of the mind and it is also a very simple task or the mind is separated from the nafs. Whatever the mind decides is acceptable and the mind and the nafs like it. This is because it contradicts the teachings of the universal religion. Talking about this aspect, the Ambassador of peace says:

" The problem is that we do not have the seeds of extremism at all. We are not religious extremists or atheists. We are Moderate. We have moderation. Where society is grinding in the mill of religious and secular extremism from two directions, living and promoting its balanced and moderate thinking is a great jihad in itself and it is a prophetic work. And in these circumstances, the Prophets always bring the message of moderation and tolerance.

Even today there is Religious Extremism on one side and Secular Extremism on the other side and our view is that we have Traditional Rationalism. What this means is that on the one hand we have a tradition based on the Qur'an and Sunnah and in the light of it, and on the other hand we are the trustees of the Companions of Ahl al-Bayt and Athar, Imams, Tabein, Awliya, Muhaddithin and Salihin.

And on the other hand, we are not the ones who are lost in the past, but we are the trustees of the innovation of connecting the past with the present and the present with the future

Remember! We do not believe in static conservatism. Rather, we believe in dynamic Traditionalism, which has always been dynamic and consistent. Every continuity creates innovation in it, that is, the traditional heritage of one century is renewed when it is transferred to the next century. Our innovation is within our orthodoxy. We have moderated conservatism and innovation.

We are in an age of globalization. In this age of globalization, where developments take place in the form of positive values, there are also its flaws and disadvantages. Every good and bad thing is coming as a result of globalization.

In one way or another, it is directly affecting us. We cannot be isolated from the world because this is the age of globalization and not of isolation.

Mustafavi Students Movement : Possessors of spirituality and modern knowledge

The Mustafavi Students Movement does not turn its comrades and students away from materialism and spirituality after showing them the path of innovation. It is thanks to this movement and the leader of the movement that we attribute science and technology and all modernity today to the Qur'an and

Sunnah. If a nation lags behind in science and technology, it is doomed. Similarly, young people who lag behind in science and technology cannot have a bright future. Dr Tahir-ul-Qadri advises in this context:

"Religion has to be seen not in the context of materialism but in the context of religion. The religion that the Holy Prophet (sws), the Ahl al-Bayt (as), the Companions, the followers and the followers and the saints and the righteous have passed on to us must be kept together and scientific, technological and philosophical developments must also be carried along and this is also our religion and Part of our concept. Philosophy is not just a subject but also social philosophy, sociology, economic and political philosophy.

In October, the Mustafavi Students Movement celebrates its Foundation day every year. We know that the property and heritage of this movement is knowledge and research. Students are the inheritors of knowledge and research. We, the inheritors of this movement, like every year, this year too we reaffirm our commitment to the cause and purpose of our leader. We promise them:

O our leader!

We pledge to create a society that will be a practical example of Nizam e Mustafa. We are thankful to Allah, the Blessed and Exalted, who brought us together under the Husseini flag in today's Yazidi era.

We will make Pakistan ,the embodiment of your dreams. An interpretation where the sun of the Mustafavi revolution will rise.

Where every son and daughter of yours will be modest and faithful. Where Hussein and Husseinism will always be propagated.☆☆☆☆☆